بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد نمبر ۶۰

شمارہ نمبر ۱

جنوری ۲۰۱۶ء

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی　　عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی　　محمود حسن حسنی

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان	:	۲۰۰ روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک	:	۳۵ امریکی ڈالر
فی شمارہ	:	۲۰ روپے
لائف ٹائم خریداری	:	۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے کاکوری آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ، فون: 9792913331

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ۵
- حدیث کی روشنی میں .... امۃ اللہ تسنیم ۶
- دعاؤں کا حاصل .... محترم یعقوب سروش ۸
- والدین کے ساتھ آپ کا رحیمانہ سلوک .... مفتی محمد مجیب الرحمٰن دیودرگی ۱۱
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب .... محمد مبشر نذیر ۱۴
- امامت کا منصب اور امام .... مفتی احمد خان ۱۵
- زندگی کی ترتیب کو بدلو! .... مولانا محمد یحییٰ مدنی ۱۹
- رسول اکرمؐ کے عظیم اخلاق و کردار .... مولانا شیر محمد امینی ۲۴
- اسلام اور نفسیاتی و فکری آزادی .... محمد مبشر نذیر ۲۷
- قناعت کے راہ نما اصول .... مفتی ثناء اللہ ڈیروی ۳۰
- زندگی سے لطف اٹھایئے! .... ترجمہ: حافظ قمر حسن ۳۷
- سوال و جواب .... مفتی راشد حسین ندوی ۴۰
- ٹینشن لینے کا یا دینے کا؟ .... ادارہ ۴۱-۴۲

اپنی بہنوں سے

ربیع الاول کا مبارک مہینہ شروع ہوگیا۔ اس بابرکت مہینہ میں رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے یہ کائنات روشن ہوئی اور ہر طرف نور ہی نور چھا گیا۔ کفر وشرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ایسی باد بہاری تھی جس نے کمزوروں، ضعیفوں اور ظلم وستم کے مارے ہوئے انسانوں میں نئی روح پھونک دی اور ان کو نئی زندگی نصیب ہوئی۔

اس ماہ مبارک میں جگہ جگہ سیرت کے جلسے ہوں گے، میلاد النبی کی محفلیں سجائی جائیں گی۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا بیان ہوگا۔ اور مسلمان مرد وخواتین رات رات بھر ان محفلوں میں شریک ہوں گے اور اپنا ایمان تازہ کریں گے اور محبت رسول سے سرشار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار ہونے کا مطلب کیا ہے اس پر بھی ہم کو غور کرنا چاہئے کیا سیرت مبارکہ پر علماء کی تقریریں سن لینا کافی ہے اور اس کے بعد ہم آزاد ہیں۔ کسی قسم کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی۔ کیا کبھی ہم نے یہ سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے اور آپ پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کے بعد ایک مسلمان مرد وعورت کو کیا کرنا چاہئے اور کس طرح اپنی زندگی گزارنا چاہئے۔

قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے اور آپؐ کے ذریعہ آئے ہوئے ہر حکم پر عمل کرنے کی ہدایت دے رہا ہے اور جن باتوں اور کاموں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ان سے دور رہنے کی تلقین کر رہا ہے لیکن عملی طور پر ہمارا کیا حال ہے اور ہم اپنی زندگی کس طرح گزار رہے ہیں۔

ہمارے عقائد کیسے ہیں، ہمارے اعمال کیسے ہیں، عبادات میں، معاملات میں ہم اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہیں۔ یا صرف زبان سے محبت رسول کے دعویدار ہیں، ہم سب کو ہر وقت اپنا جائزہ لینا چاہئے اور اپنے اندر جو کمی ہو اس کو دور کرنا چاہئے اور اپنے کو اس لائق بنانا چاہئے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے امتی کہلائیں۔

حدیث کی روشنی میں

امۃ اللہ تسنیم

اخلاص اور نیت

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ تمام عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کو اُس کی نیت کے مطابق ملے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کرے گا تو اُس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی، اور جو دنیا کے حصول کے لئے کرے گا یا کسی عورت سے نکاح کے لئے کرے گا تو اُس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے ترک وطن کیا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حشر اپنی نیتوں پر ہوگا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک لشکر کعبہ پر حملہ کرے گا جب میدان میں آجائے گا تو ان کے اگلے پچھلے لوگ دھنسا دیئے جائیں گے میں نے کہا یا رسول اللہ اُن کے اگلے پچھلے لوگ کیسے دھنسا دیئے جائیں گے حالانکہ اُن میں بازار کے لوگ بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو حملہ کرنے والوں کے شریک نہیں۔ آپ نے فرمایا سب دھنسا دیئے جائیں گے لیکن اپنی اپنی نیتوں کے مطابق اُٹھائے جائیں گے۔ (بخاری۔ مسلم)

نیت اور جہاد قیامت تک باقی رہیں گے

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد (مکہ سے) ہجرت نہیں ہے (اس لئے کہ وہ دارالاسلام ہوگیا ہے) مگر نیت اور جہاد باقی رہیں گے، جب تم کو جہاد کے لئے اُٹھایا جائے تو چل کھڑے ہو۔

نیت کی بناء پر عمل میں شرکت

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی لڑائی میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مدینہ میں رہ گئے ہیں وہ تمہارے ساتھ نہیں آئے لیکن اجر میں وہ تمہارے شریک ہیں اُن کو مرض نے روک لیا۔ (بخاری۔ مسلم)

معذور مجاہدین کے ساتھ شریک ہے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک سے پلٹ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ پیچھے رہ گئے نہ تمہارے ساتھ چلے اور نہ انہوں نے اس سفر کی کوئی گھاٹی طے کی مگر وہ تمہارے ساتھ شریک ہیں، مرض نے اُن کو مجبور کردیا ہے۔

بیٹے کو مل جانے سے باپ کی خیرات کا ثواب نہیں جاتا

حضرت ابویزید معن بن یزید سے روایت ہے کہ میرے باپ نے صدقے کے لئے دینار نکالے اور مسجد میں ایک شخص کے پاس رکھا دیئے، میں مسجد میں آیا اور میں نے ان کو لیا اور لے کر گھر پلٹا۔ میرے باپ نے کہا قسم خدا کی میں نے تجھے دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ پھر ہم دونوں آپس میں بحث کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا اے یزید تمہاری نیت کا تمہیں اجر ملے گا اور اے معن جو تم نے لیا وہ تمہارا ہوچکا۔ (بخاری)

اللہ کی خوشی کیلئے بیوی کو کھلانا بھی ثواب وعبادت ہے

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کیلئے حجۃ الوداع کے

سال تشریف لائے اور میں سخت بیمار تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میری بیماری کس حد کو پہنچ گئی ہے۔ میں بہت مالدار ہوں اور میرے ایک ہی بیٹی ہے۔ کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کرسکتا ہوں، فرمایا نہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ نصف، فرمایا نہیں۔ میں نے کہا ایک تہائی یا رسول اللہ، فرمایا ہاں۔ تہائی بھی بہت ہے۔ تمہارا اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑنا اُن کو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اور دیکھو تم اللہ کی خوشی کیلئے جو کچھ خرچ کرو گے اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو اس کا اجر تم کو ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس کا بھی ثواب ملے گا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا میں اپنے ساتھیوں کے بعد تک رہوں گا۔ فرمایا تم اپنی بقیہ عمر میں جو عمل اللہ کی رضا کیلئے کرو گے اس کے سبب تمہارے درجہ اور بلندی میں ترقی ہوگی بہت ممکن ہے کہ تم زندہ رہو، بعض کو تم سے نفع پہنچے بعض کو نقصان۔ پھر آپ نے فرمایا اے اللہ میرے ساتھیوں کے لئے ان کی ہجرت آخر تک گذار دے، اُن کو اُلٹے پاؤں نہ پلٹا۔ لیکن بیچارے قابلِ رحم تو سعدؓ بن خولہ ہیں۔ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترس کھاتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے مکہ میں وفات پائی۔ (بخاری۔ مسلم)

اللہ دلوں کو دیکھتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے۔ اس کی نظر تمہارے دلوں پر رہتی ہے۔

جہاد کی نیت

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا، جو بہادری کے لئے جہاد کرے یا حمیت کے لئے یا دکھاوے کے لئے۔ اس میں اللہ کے راستے میں کون سا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑنا ہی صرف اللہ کے راستے میں شمار ہوگا۔ (بخاری۔ مسلم)

مسلمان قاتل و مقتول

حضرت ابوبکرؓ نفیع بن الحارث الثقفی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ مقابل ہوں تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ قاتل کا معاملہ تو سمجھ میں آ گیا لیکن مقتول کے بارے میں حیرت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔

جماعت کا ثواب کیوں زیادہ ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر پر اور دوکان پر نماز پڑھنے سے جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب کچھ اوپر بیس گنا زیادہ ملتا ہے۔ جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد میں آئے اور نماز ہی کا ارادہ کر کے گھر سے نکلا ہو تو ہر قدم پر اس کا درجہ بلند کیا جائے گا۔ اور اس کی خطائیں دُور کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوگا تو نماز میں شمار ہوگا۔ اور جب تک وہ مسجد میں نماز کی نیت سے رُکا رہتا ہے فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں اے اللہ اس پر رحم کر اور اس کو بخش دے اور اس کی توبہ قبول کر، جب تک باوضو رہے۔ (بخاری۔ مسلم)

نیک کام کی نیت ہی سے ثواب مل جاتا ہے

حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور آنحضرتؐ اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھیں پھر اُن کو ظاہر کر دیا کہ جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اُس کو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک نیکی لکھی اور جس نے نیکی کا ارادہ بھی کیا اور اس کو کر گذرا تو اللہ تعالیٰ نے دس نیکیاں لکھیں۔ سات سو گنا تک یا اس سے زیادہ اور جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا پھر اس کو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک پوری نیکی لکھی اور اگر وہ برائی عمل میں آ گئی تو ایک ہی بدی لکھی۔

دعاؤں کا حاصل

محترم یعقوب سروش

نہ جانے کیوں آج عبدالمطلب کا دل بار بار بھر آ رہا تھا، رہ رہ کر آنکھوں کے سامنے جواں مرگ بیٹے عبداللہ کی صورت پھر رہی تھی، دل کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے وہ خانہ کعبہ کی طرف دھیرے دھیرے بڑھنے لگا۔ رات کی ظلمتوں کا سینہ چیر کر مشرق کے لال گلابی ماتھے سے اجالے پھیل چکے تھے، خانہ کعبہ کی چھاؤں میں پہنچ کر انہیں یک گونہ اطمینان نصیب ہوا، حجر اسود کا بوسہ لے کر وہ اسی کے قریب بیٹھ گئے۔ آج سے کئی برس پہلے اسی مقام پر انہوں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھ لیں گے تو ان بیٹوں میں سے کسی ایک کو ہبل کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیں گے۔ اور جب سارے بیٹے ان کی آنکھوں کے سامنے جوان ہو گئے تو قربانی کے لئے قرعہ عبداللہ کے نام نکلا، سارے گھرانے میں کہرام مچ گیا، عبداللہ کی بہنوں نے دہائی دی اور کہا کہ کسی نہ کسی طرح چھوٹے اور پیارے بھائی کو بچا لیا جائے۔ پھر عبدالمطلب کو یاد آیا کہ دس اونٹوں اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو پھر عبداللہ کا نام ہی نکلا۔ اب اونٹوں کی تعداد بڑھا کر قرعہ ڈالا جانے لگا اور ہر دفعہ عبداللہ کا نام ہی نکلتا رہا۔ تیس اونٹ، پچاس، اسی، نوے، عبدالمطلب اور ان کے سارے گھرانے والے دم سادھے قسمت کا کھیل دیکھ رہے تھے، آخری داؤ پر سو اونٹ لگائے گئے، اب عبداللہ بچ گئے اور ان کے عوض سو اونٹ ہبل کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیئے گئے۔ یہ عبداللہ کی نہیں، عبدالعزیٰ ابوطالب کی آواز تھی جو قریب ہی کھڑے ہوئے تھے۔ عبدالمطلب تصور کے دھندلکوں سے باہر نکل آئے! آج صبح صبح آپ کی آنکھیں آنسوؤں میں تیر رہی ہیں؟ ابوطالب نے پوچھا، عبدالمطلب نے آنسو پونچھ لئے اور آہستہ سے کہا: بیٹے عبدالعزیٰ! یہ دل کا اتھاہ غم ہے، جو آنسوؤں کا روپ دھار کر باہر نکل رہا ہے۔ تم اکثر کہا کرتے ہو کہ قریش میری اس دائمی سنجیدگی پر طنز کرتے ہیں۔ لیکن بیٹے ایسے لوگ اپنے سینے میں دھڑکتا ہوا دل نہیں پتھر رکھتے ہیں اب ابوطالب باپ کے سامنے اکڑوں بیٹھ گئے تھے۔ قسم خدا کی! ابوطالب بولے: ''میرا چھوٹا بھائی عبداللہ! میرا طاقتور بازو! لیکن ابا جان! تقدیر کے آگے آج تک کس کی بنی ہے؟ وہ اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا چکا ہے، وہ پھر لوٹ کر ہمارے پاس کبھی نہ آسکے گا۔ ابوطالب کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔ آپ غم نہ کریں، ہم تمام بھائی ہر لحہ آپ کی خدمت کے لئے تیار ہیں۔ آخر وہ کیا بات ہے جو آپ کو عبداللہ میں نظر آئی اور ہم سبھوں میں نظر نہ آئی۔''

عبدالمطلب کی بوڑھی آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح برس رہی تھیں۔ وہ بڑے ہی درد بھرے لہجے میں کہنے لگے۔ بیٹے! مجھے تو عبداللہ کی سترہ سالہ زندگی اللہ کا ایک نشان نظر آتی ہے! وہ پل بھر کے لئے رکے اور پھر گویا ہوئے۔ یاد کرو بیٹے! عبداللہ سو اونٹ کی قربانی کے عوض کس طرح بچ گیا اور اس کی شادی وہب کی بیٹی آمنہ سے کس طرح اچانک ہوگئی۔ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ سسرال میں وہ صرف تین دن ہی رہ سکا تھا اور ملک شام کا تجارتی سفر بے چارے کا آخری سفر ثابت ہوا اور ابھی پچاس دن پہلے کی بات پر بھی تو غور کرو۔ رب کعبہ نے اپنے قدیم گھر کو ہاتھی والوں کے ظلم و جور سے کیسے بچا لیا تھا؟ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ابابیلوں نے ابرہہ کے لشکر جرار کو کس عجیب و غریب طریقے سے

بھوسی بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ ان تمام واقعات کو جوڑتا ہوں تو مجھے ان میں اللہ کی نشانیاں ہی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ عبدالمطلب کی نگاہیں حجر اسود کو چومتی ہوئی خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگیں۔ خانہ کعبہ۔ اینٹ اور پتھر کا سادہ سا چوکور کمرہ۔ جس کے سب سے پہلے معمار ابراہیم علیہ السلام تھے، جن کی دعاؤں نے صحرائے عرب کو فرزندان توحید کا مرکز بنادیا ہے، کتنی پرخلوص اور پرسوز تھیں وہ دعائیں جو خلیل اللہ نے پتھر اٹھاتے ہوئے اسی تپتی ہوئی غیر ذی زرع زمین پر کھڑے ہو کر اللہ سے مانگی تھیں۔

ابوطالب نے اپنے باپ کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا، ''ابا جان! عبداللہ اس دنیا سے جاتے جاتے ایک امانت چھوڑ گیا ہے۔ خدا کرے کہ چھوٹی بھابھی آمنہ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہو، اور وہ آپ کے غم کا مداوا بن جائے۔'' عبدالمطلب کے جھریوں بھرے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کا تموج پیدا ہوا، یوں معلوم ہونے لگا کہ یہ خبر ان کے لئے دنیا جہاں سے پیاری ہے۔ وہ بول اٹھے! عبدالعزیٰ! میری بھی یہی تمنا ہے کہ آمنہ کے یہاں بیٹا پیدا ہو۔ میں اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھوں گا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ میرے بڑھاپے کا سہارا۔ عبداللہ کی نشانی۔ قریش کی عظمتوں کا علمبردار۔ خانہ کعبہ کا نگہبان!

یہ کہتے کہتے عبدالمطلب کی آنکھوں میں آنسوؤں کے تارے جگمگانے لگے ''میرے آقا'' معاً کسی عورت کے پکارنے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

ان کی لونڈی اُمّ ایمن ان کی طرف بھاگی چلی آرہی تھی۔ میرے آقا! وہ ہانپ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے مسرت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں! مبارک مبارک۔ میری بی بی۔ آمنہ کے لڑکا ہوا ہے ''سچ''! عبدالمطلب کا رواں رواں جیسے جھومنے لگا۔ ان کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ یعنی محمد پیدا ہو چکا ہے۔ میرا لاڈلا محمد۔ چہیتا پوتا۔ اے سارے جہان کے پروردگار۔ ساری حمد وثنا کا تو ہی سزاوار ہے۔ عبدالمطلب کے قدم بڑی پھرتی کے ساتھ گھر کی طرف اٹھنے لگے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے اپنی بیوہ بہو کی مزاج پرسی کی۔ وہب کی بیٹی سرور کائنات کی محترم ماں۔ جواں مرگ عبداللہ کی معزز بیوہ باادب ہو کر اپنے خسر سے بولی: پیارے ابا! آپ کی دعا سے اچھی ہوں! اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ عبدالمطب نے ہاتھ پھیلا کر دونوں جہاں کے سردار اور انسانیت کے محسن اعظم کو اپنی گود میں لیا، ہونہار بچہ ہاتھ پاؤں ہلا ہلا کر کھیل رہا تھا۔

''یہ میرا بیٹا ہے'' عبدالمطلب بول رہے تھے۔ راج دلارا ہے۔ میری بوڑھی آنکھوں کا روشن ستارا ہے یہ۔ میں اس کا نام محمد رکھتا ہوں۔ محمد مقدس ماں نے جیسے چونک کر کہا۔ لیکن ابا جان مجھ سے کسی غیبی آواز نے کہا ہے کہ اس کا نام احمد رکھا جائے۔

عبدالمطلب نے اپنے چاند جیسے پوتے کی پیشانی پر محبت بھرا بوسہ ثبت کیا اور بولے: اچھی بات ہے بیٹی! محمد اور احمد دونوں ہی اس کے نام ہوں گے۔ اللہ کے نزدیک یہ احمد ہوگا اور ہم لوگوں کے ہاں یہ محمد کہلائے گا اور ہاں آمنہ! بزرگ دادا نے کسی قدر بلند آواز سے کہا، میں اس کو خانہ کعبہ لے جاؤں گا اور وہاں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ اس دریتیم کو مبارک اور معظم بنائے۔ مجھے تو اس کی پھول جیسی پیشانی میں اس کی شان وشوکت اور عظمت کی جھلکیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکل آئے اور تیز تیز خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

''اے ابوحارث'' عبدالمطلب کو کوئی پکار رہا تھا۔ پیچھے پلٹ کر دیکھا اوہ۔ تم۔ نوفل کے بیٹے ورقہ۔ آؤ آج مجھے مبارکباد دو۔ یہ میرا پوتا ہے۔ عبداللہ کی یادگار۔ اس کا نام محمد بھی ہے اور احمد بھی۔ ورقہ نے منے کی طرف ایک نظر ڈالی۔ اس کا چہرہ جیسے کھل اٹھا، ابوحارث! ورقہ نے کہا ہے یہ وہی ہے۔ یہ وہی ہی ہماری کتابوں میں اس کے آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ ابوحارث! میں تنہا تم کو ہی مبارکبادی نہ دوں گا، میں تو ساری انسانیت کو مبارکبادی کا پیام دیتا ہوں۔ اب اللہ کی رحمت جوش میں آنے

والی ہے۔

ورقہ نے دوسرے ہی لمحے پوچھا، مگر تم اس ننھے منے بچے کو لے کر کہاں جا رہے ہو؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کعبہ کے اندر لے جاؤں گا اسے! اور معبودوں کے آگے جا کر ان سے دعا مانگوں گا!

ابوحارث! ورقہ نے مشورہ دیا، اس بچے کو کعبے کے اندر نہ لے جاؤ کعبے کے اندر رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں سے اپنے بچے کو دور ہی رکھو!

اے صابی! عبدالمطلب گرج کر بولے کیا تم مجھے اپنے باپ دادا کے دین سے پھر جانے کی تلقین کرتے ہو، ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور پھر انہوں نے ابوطالب سے کہا بیٹے عبدالعزیٰ جاؤ اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دو۔ ورقہ تو پکا صابی ہے، یہ اور اس کے گروہ کے لوگ تو ایسی ہی بیہودہ باتیں کہنے کے عادی ہیں۔ ورقہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ میں آپ کے بھلے کے لئے ہی یہ مشورہ دے رہا ہوں! تم یہاں حجر اسود کے قریب ہی دعا کیوں نہیں مانگ لیتے! لیکن عبدالمطلب نے صاف انکار کر دیا۔ ابھی وہ دو قدم بھی آگے بڑھنے نہ پائے تھے کہ ابوطالب تیزی سے واپس آئے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ابا جان! حیرانی کے عالم میں ابوطالب کہہ رہے تھے۔ غضب ہو گیا ہے۔"

"کیا بات ہے بیٹے؟"

"میری آنکھوں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا!"

"کیا دیکھا ہے؟ بتاتے کیوں نہیں؟"

"ابا جان! سارے معبود منہ کے بل گر گئے ہیں!"

"ہائیں۔ منہ کے بل گر گئے ہیں۔ کیا ہبل بھی؟"

"ہاں ہاں۔ ہبل بھی۔"

"حیرت کی بات ہے" عبدالمطلب مجسم حیرت بن گئے تھے۔

میں نے اپنی عمر کے اس طویل سفر میں کبھی ایسی عجیب بات نہ دیکھی اور نہ سنی۔

"تعجب نہ کرو ابوالحارث!" ورقہ بن نوفل نے کہا "یہ ننھا سا بچہ ان بتوں کا سخت ترین دشمن ہے۔ بڑا ہو کر یہ خانہ کعبہ کو ان بتوں کی گندگی سے پاک کر دے گا۔ عالم انسانیت کو نئی زندگی، نئی طاقت اور نیا ایمان عطا کرے گا، یہ چھوٹا سا بچہ! طاغوتی قوتوں شیطانی سازشوں اور نفسانی بدمستیوں کے گھناؤنے ماحول کو یکسر بدل دے گا، آپ کا یہ پوتا...... وہ سب خوش نصیب افراد ہوں گے جو مستقبل کے اس رسول پر ایمان لائیں گے اور ہلاکت کی کھائی میں گر جائیں گے وہ سب جنہوں نے اس کو جھٹلایا، اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں ضرور ان کی مدد کروں گا سن لو اے ابوحارث! یہ بچہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی دعاؤں کا حاصل ہے اور ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کا پروردگار ہی اس کی حفاظت کرے گا!" پھٹی ہوئی آنکھوں سے عبدالمطلب کبھی اپنے راج دلارے پوتے کو دیکھتے، کبھی ورقہ بن نوفل کو اور کبھی مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو۔ صلی اللہ علیہ وسلم

☐☐☐

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایاجات کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کر دیں تا کہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/بجے سے شام ۵/بجے تک فون پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/بجے سے ۵/بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

والدین کے ساتھ آپ ﷺ کا رحیمانہ سلوک

مفتی محمد مجیب الرحمٰن دیودرگی

والدین درحقیقت انسان کے دنیا میں آنے کا ذریعہ ہوتے ہیں، انسان کا وجود والدین کے رہین منت ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی کئی مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا اوران کے حقوق کے ادائیگی کی تلقین کی ہے، نیز جہاں شرک سے اجتناب کی تعلیم دی تو وہیں ساتھ میں والدین کے ساتھ صحیح روش اپنانے کی ترغیب دی، والدین کے تئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین بھی حسن سلوک کی تعلیم دے رہے ہیں، جس طرح والدین نے بچپن میں بچے پر رحم کیا، اس کی ضروریات کا لحاظ کیا، اس کے درد کو اپنا درد سمجھا، اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت خیال کیا، اس کی تکلیف کے دفعیہ میں حتی الامکان سعی کی، اسی طرح اب بڑھاپے میں بچوں کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ والدین کو نعمت سمجھیں، ان کی خدمت اپنے لئے اعزاز قرار دیں، اپنے گھران کا قیام اپنے لئے رحمت تصور کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال سے اسی کی تعلیم دی۔

والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ رحیمانہ معاملہ فرماتے ہوئے امت کو اس بات کی تعلیم دی کہ والدین کی اطاعت وفرمانبرداری اپنے لئے لازم کرلو، بصورت دیگر والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ شمار کیا، کبیرہ گناہ وہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے استفسار کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تم کو کبائر میں سے بڑے کبیرہ کی خبر دوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیوں نہیں یارسول اللہ؟ ضرور ضرور خبر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہ شرک اور والدین کی نافرمانی ہے۔ (بخاری: 6675، باب الیمین الغموس) یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا اثر ہی ہے کہ والدین کی نافرمانی کو کبیرہ شمار کیا، یعنی کسی مسلمان سے کبیرہ گناہ کی توقع نہیں ہوسکتی، اس لئے کوئی بھی مسلمان کبیرہ کے تصور سے والدین کی نافرمانی سے دور رہے گا، ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں کی ادائیگی کے اہتمام کرنے والے اور کبائر سے بچنے والے کو جنت کی بشارت دی اور کبائر سے والدین کی نافرمانی شمار کی۔ (السلسلۃ الصحیحۃ 1432) جن چیزوں کی وجہ سے جنت کا استحقاق ہوتا ہے انہیں میں سے ایک والدین کی نافرمانی سے احتراز بھی ہے، ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے فرمایا: روز محشر اللہ تعالیٰ تین آدمیوں پر نظر التفات نہ فرمائیں گے، انہیں میں سے ایک والدین کی نافرمانی بھی ہے، نیز فرمایا: تین لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے، انہیں میں ایک والدین کا نافرمان بھی ہے۔ (الترغیب والترہیب: 3774 کتاب البر والصلہ، حسن) اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں نافرمان اولاد کو روز محشر رحمت الٰہیہ سے محروم قرار دیا، وہیں پر نافرمان اولاد سے جنت کا استحقاق بھی ختم کردیا، والدین کی نافرمانی ہی کو کبیرہ نہ شمار کیا، بلکہ وہ اسباب جو والدین کے لئے تکلیف دہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں، انہیں بھی کبائر میں شمار کیا، لہٰذا فرمایا: کبائر میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا: کیا آدمی

اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کسی آدمی کے والد یا والدہ کو گالی دیتا ہے وہ اس کے والد یا والدہ کو گالی دیتا ہے۔ (الترغیب والترہیب: 2783 کتاب البر والصلۃ، صحیح)

ماں کا مقام

اولاد کی پیدائش کتنی پریشانیوں کتنی مشقتوں کتنی تکالیف سے ہوتی ہے اس کا احساس والدہ سے زیادہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کا مقام والد سے زیادہ بیان کیا، چنانچہ ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کرنے لگے کہ میرے سب سے زیادہ احسان کے کون مستحق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ماں کا تذکرہ کیا، چوتھی دفعہ والد کا ذکر کیا۔ (بخاری: 5626، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر دونوں کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ فرماتے، کبھی ایک کی ہی تخصیص فرماتے، ایک دفعہ دیہاتی آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے لگے کہ کس کے ساتھ وہ حسن سلوک کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ والدہ کا تذکرہ کیا، تیسری دفعہ والد کا ذکر فرمایا۔ (بخاری: 5971، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ؟) ایک صحابی حارثہ بن نعمان کے سلسلے میں مشہور تھا کہ وہ والدہ کے بڑے مطیع و فرمانبردار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں پڑھنے کی آواز سنی تو میں نے پوچھا کون؟ انہوں نے جواب دیا حارثہ بن نعمان۔ میں نے کہا، حسن سلوک اسی طرح ہونا چاہئے۔ (للدولابی: 1191 من کنیتہ ابو النضرۃ، مسند الشھاب القضاعی- 1/102) ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کی اہمیت بیان کی، جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ (الکنی والاسماء) جنت کی تلاش کا آسان راستہ والدہ کی خدمت سے طے ہوتا ہے، جو شخص جنت کا متلاشی ہو وہ فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ والدہ کی خدمت کو لازم پکڑے، ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے استفسار کیا کہ میں نے والدہ کی فلاں فلاں خدمت کی، کیا والدہ کا حق ادا ہو گیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیا تمہاری پیدائش کے وقت والدہ نے تکلیف سے جو آواز نکالی تھی اس کا بھی حق ادا نہ ہوا۔

باپ کا مقام

ایک باپ جو صبح سے شام تک اولاد کی پرورش، ان کی تربیت کے سلسلہ میں بے چین رہتا ہے وہ اس خیال میں محو رہتا ہے کہ اخراجات کی تکمیل کیسے ہو؟ اس کا مقام بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باپ جنت کے دروازوں میں بیچ کا دروازہ ہے، اگر تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر یا اس کو ضائع کر دے۔ (ترمذی: 1900، باب ما جاء من الفضل فی اخا الوالدین، صحیح) ایک موقعہ پر ایک صحابی رسول آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کرنے لگے کہ میرے والد میرے مال سے خرچ کرنا چاہتے ہیں، ایسے موقع پر کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، ”تو اور تیرا مال تیرے والد ہی کے لئے ہے۔“ (ابن ماجہ: 2291، باب ماللرجل من مال ولدہ، صحیح) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے اولاد کے مال میں والد کا استحقاق قرار دیا۔

والدین کی خوشنودی اللہ کی خوشنودی

انسان کی پیدائش کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کو راضی کرے، اس کو حاصل کرنے کا آسان طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: بندے سے اللہ کا راضی ہونا بندے سے اللہ کا ناراض ہونا والدین کی رضامندی و ناراضگی کے ساتھ معلق ہے۔ (الجامع الصغیر 5820، صحیح)

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے، رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ (الجامع الصغیر 5819، صحیح) والدین کی رضامندی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا اہم قرار دیا کہ ان کی رضامندی پر اپنی رضامندی موقوف کر دی، والدین کو ناراض رکھ کر اللہ کو

راضی کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

جنگ وہجرت پر خدمت کو ترجیح

جنگ کا موقعہ ہو یا ہجرت کا موقعہ، ایسے مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس بات کی تلقین کرتے تھے کہ والدین کو راضی کئے بغیر ہجرت نہ کرو، نہ ہی والدین کو راضی کئے بغیر جنگ میں جاؤ، چنانچہ ایک صحابی رسولؐ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر جہاد میں شرکت کے عزم کا اظہار کیا، اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا تمہاری والدہ ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں لازم پکڑے رہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا کہ کیا تمہارے والدین ہیں؟ انہوں نے مثبت جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں جہاد کرو۔ (بخاری: 3004، باب الجہاد باذن الوالدین)

ایک صحابی جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر یمن سے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ کیا یمن میں تمہارے کوئی رشتہ دار باحیات ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ والدین زندہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اجازت کے بارے میں سوال کیا، صحابی رسول نے نفی میں جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ! ان سے اجازت لو، اگر اجازت نہ ملے تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ ہی حسن سلوک کرو۔ (ابوداؤد 2530، باب فی الرجل یغزو وابواہ کارہان، صحیح)

ایک صحابی حاضر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر ہجرت پر بیعت کرنا چاہ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے والدین کی بابت دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا کہ جب میں ہجرت کے ارادے سے نکل رہا تھا تو وہ رو رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ جاؤ! جیسے والدین کو رلا کر آئے ہو ویسے ہی انہیں اب خوش کر کے آؤ۔ (الترغیب والترہیب: 3744، کتاب البر والصلۃ، صحیح)

یہ والدین کے ساتھ رحیمانہ کریمانہ سلوک کی تلقین کے کچھ گوشے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے افراد کو سختی سے اس بات کی تاکید کی کہ والدین کے ساتھ رحیمانہ طرز عمل اپناؤ، انہیں اپنی ذات سے کوئی تکلیف وگزند نہ پہنچے، چونکہ بنفس نفیس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کی خدمت کا موقع نہ مل سکا، ورنہ عملی طور پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اسوہ و نمونہ عطا فرماتے، لیکن اس کے باوجود روایات میں یہ بات منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا: اے کاش! اگر میری والدہ زندہ ہوتی، اور میں عشاء کے بعد نوافل میں مشغول ہوتا اور میری والدہ مجھے آواز دیتی کہ اے محمد! تو میں نماز چھوڑ کر والدہ کے کام کی جانب متوجہ ہوتا، ان کی ضرورت کی تکمیل کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ (جو کہ بچپن ہی میں انتقال کرگئی تھیں) کے تئیں یہ کلمات کہے ہیں، اگر فی الواقع والدہ موجود ہوتیں تو کیا سلوک فرماتے؟ اس کے بیان سے زبان وقلم عاجز ہے۔

ایک جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدین کے تئیں یہ تعلیمات ہیں، دوسری جانب والدین کی ناقدری وبائی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، والدین کی نافرمانی عام سی بات ہوگئی، والدین کے ساتھ بدسلوکی اس حد تک عام ہوگئی کہ والدین کو گھر سے باہر نکالا جارہا ہے، جس کے اثر سے اولڈ ہاؤس کی کثرت ہورہی ہے، الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامات قیامت بیان کئے تھے کہ قرب قیامت والدین کی نافرمانی عام ہوگی، اس کی عملی تطبیق نظر آرہی ہے، الغرض ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین کے ساتھ نرمی وخیرخواہی کے جس پہلو کی جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی توجہ مبذول فرمائی ہے، اسے اپنانے کی اور عملی جامہ پہنانے کی سخت ضرورت ہے، ان کی فروگذاشتوں سے صرف نظر کیا جائے، ان سے انتقامانہ کارروائی نہ کی جائے، ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو بنظر محبت دیکھا جائے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

محمد مبشر نذیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقُولُوا۟ رَٰعِنَا وَقُولُوا۟ ٱنظُرْنَا وَٱسْمَعُوا۟ ۗ وَلِلْكَـٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(البقرۃ:104)

اے ایمان والو! ''راعنا'' نہ کہا کرو بلکہ ''انظرنا'' کہا کرو اور توجہ سے بات کو سنا کرو۔ یہ انکار کرنے والے تو دردناک سزا کے مستحق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنے والے بعض یہودی اور منافقین آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ظاہری احترام کو برقرار رکھتے ہوئے بھی ان کی یہ کوشش ہوا کرتی کہ وہ کسی طرح آپ کی شان میں بے ادبی کر سکیں۔

''راعنا'' ایک ذو معنی لفظ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سنتے ہوئے اگر کبھی کوئی بات سمجھ نہ پاتے تو آپ سے رعایت کی درخواست کرتے ہوئے یہ لفظ بول کر بات کو دوہرانے کے لئے کہتے۔ اس لفظ کو ذرا لچکا کر بولا جائے تو یہ ایک اہانت آمیز لفظ بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس لفظ کے استعمال سے روک دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ایسے موقع پر ''انظرنا'' یعنی ہم پر نظر فرمایئے کہہ کر آپ کی توجہ حاصل کریں۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ بات کو پہلے ہی توجہ سے سنیں تاکہ اس کی نوبت نہ آئے۔

اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا حصہ بنا دیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و حرمت کے معاملے کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو حیثیت اللہ کے نزدیک ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے آپ کی ذات والا صفات کا انتہائی درجے میں ادب و احترام کیا جائے اور کوئی ایسا لفظ نہ بولا جائے اور نہ ہی ایسا عمل کیا جائے جس سے آپ کی شان میں ادنیٰ درجے میں بھی گستاخی کا کوئی شائبہ ہو۔ یہی رویہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اختیار کرنا چاہئے۔

موجودہ دور میں اہل مغرب کے ہاں افراط و تفریط کے جو رویے پیدا ہوئے ہیں، ان میں سے ایک معاملہ یہ بھی ہے۔ انہوں نے اس بات کو آزادیٔ اظہار (Freedom of Expression) کا مسئلہ بنالیا ہے کہ کوئی شخص اگر چاہے تو اللہ کے کسی رسول کی شان میں گستاخی کردے۔ آزادی اظہار ایک بڑی قدر ہے اور اسلام اس کو اہل مغرب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے لیکن اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ انسان کی آزادی کی حدود وہاں ختم ہوجاتی ہیں جہاں کسی دوسرے انسان کی آزادی کی حدود شروع ہوتی ہیں۔ علمی گفتگو اور سوال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن دوسرے کے مذہب اور مذہبی شخصیات کے بارے میں گستاخانہ رویہ اختیار کرنا ایسا معاملہ ہے جہاں ان کی آزادی اظہار دوسرے کی آزادی میں دخل انداز ہوجاتی ہے۔ یہ رویہ سراسر انسانیت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے خلاف ہے۔ ہمیں احسن انداز میں اپنا نقطہ نظر دنیا کے سامنے واضح کردینا چاہئے اور اہل مغرب کو اس بات کی دعوت دینا چاہئے کہ ان کی جانب سے ایسا رویہ اختیار کرنا سراسر بدتہذیبی اور بداخلاقی ہے جس کی اصلاح ان پر لازم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ہم دوسرے مذاہب کی محترم شخصیات کے بارے میں احترام کا رویہ اختیار کریں تاکہ امن اور سکون کے ماحول میں مثبت مکالمے کا عمل جاری رہ سکے۔ ●●

امامت کا منصب اور امام

مفتی احمد خان

دین کا ایک اہم شعبہ مسجد ہے۔ خوب اچھی طرح یاد رکھئے کہ وہ حضرات جو امامت کے منصب پر فائز ہیں وہ بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے تو دل اس حوالے سے صاف اور شفاف ہو کہ میں کوئی چھوٹا کام کر رہا ہوں۔ اس میں کوئی ہلکی سی بھی آلودگی نہ ہو کہ مجھے کوئی کام نہیں ملا، میں ڈاکٹر نہیں بن سکا، میں انجینئر نہیں بن سکا، میں تاجر نہیں بن سکا، میں فلاں اور فلاں دنیا کے کام نہیں کر سکا تو اب مجبوری میں رہ گئی ہے مسجد، اس لئے میں مسجد کا امام ہوں۔ اگر خدا نہ خواستہ دل میں اس طرح کا کوئی خیال ہے تو آپ اپنے منصب کے ساتھ بہت بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ یاد رکھئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بہت بڑا تعارف یہ ہے کہ آپ امام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ امام تھے بلکہ آپ تو امام الانبیاء تھے، امام الرسل تھے۔ آپ نے وہ حدیث پڑھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا نہیں جا رہا، صحابہ کرام آپ کو سہارا دے رہے ہیں اور آپ کے پیر زمین پر گھسٹ رہے ہیں۔ پھر بھی آپؐ نے امامت فرمائی۔ آپ نے یہ بھی پڑھا ہے تفصیل سے پڑھا ہے، اور اس میں علمی اختلاف ہیں کہ بیٹھ کر کوئی آدمی امامت کر سکتا ہے یا نہیں، یعنی اس کے مقتدی کھڑے ہوں اور امام بیٹھا ہوا ہو۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کیفیت بھی آئی کہ بیٹھ کر بھی امامت فرمائی ہے۔

امامت کو معمولی نہ سمجھئے

امامت کوئی چھوٹا منصب نہیں ہے۔ امامت تو بہت بڑا منصب ہے، بشرطیکہ ہم اس کی اہمیت سے واقف ہوں۔ یاد رکھئے، اگر آپ مسجد کے امام ہوں اور زندہ امام ہوں۔ بہت سے لوگ مردہ امام ہوتے ہیں۔ وہ محراب کے دروازے سے عین اقامت کے وقت آتے ہیں اور سلام پھیر کر پھر اسی محراب کے دروازے سے نکل جاتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے والا کون کون ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ شیطان انہیں بہکاتا ہے اور اس میں وہ اپنی شان سمجھتے ہیں کہ ہم تو بڑے آدمی ہیں۔ میرے دوستو، یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ امامت کے منصب کو ہم سمجھیں کہ امامت کا منصب کوئی معمولی منصب نہیں، بہت بڑا منصب ہے۔ وہ منصب ہے جو سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا گیا، آپؓ نے اختیار فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو شہیدِ محراب ہیں۔ آپؓ کی شہادت کا واقعہ کہاں پیش آیا؟ امامت کرتے ہوئے، نماز پڑھاتے ہوئے۔ اس لئے امامت کو معمولی نہ سمجھئے۔

برصغیر میں چونکہ انگریز حاکم اور قابض رہا ہے، اس نے ایک سازش کے تحت، اس پورے خطے میں امام کے منصب کو ایک بہت گھٹیا منصب کے طور پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ باقاعدہ سرکاری کھاتوں اور کاغذات میں جہاں مختلف ذاتوں کا، مختلف منصبوں کا ذکر ہے انہی میں، اس انگریز نے امام کو امامت کو ''کمیوں'' کے منصب میں شامل کیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں کہ یہ الفاظ نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے)۔ یہ باقاعدہ ایک سازش ہے۔ چنانچہ عوام میں اس بات کو پھیلایا گیا۔ مسجد بھی نہیں کہتے، ''میت'' کہہ دیتے ہیں۔ امام کو بھی اس طرح سے پیش کیا جاتا اور معاملہ کیا جاتا ہے جیسے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں بلکہ بہت نچلے درجے کے لوگ ہیں۔

جب کہ آپ کو یہ معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی امام تھے اور ایسے امام کہ آپؐ

بیماری کے آخری مرحلے میں ہیں، تب بھی امامت فرما رہے ہیں۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت فرمائی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالنورین نے امامت فرمائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت فرمائی۔

اس لئے امامت کا منصب بہت بڑا منصب ہے۔ یہ عظمت اور اہمیت پہلے ہمارے دل میں آئے، ہم تردد اور شک کی کیفیت سے اپنے آپ کو نکالیں کہ کاش میں ڈاکٹر ہوتا، کاش میں انجینئر ہوتا، کاش میں تاجر ہوتا، کاش میں زمیندار ہوتا۔ اگر خدانخواستہ، خدانخواستہ اس کیفیت کے ساتھ کوئی امامت کر رہا ہے تو وہ امامت کے نہایت مبارک منصب پر ایک بہت بدنما داغ اور دھبا ہے۔ اسے امامت نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن اگر امام واقعی اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث سمجھ کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب سمجھ کر اس جگہ کھڑا ہوتا ہے تو پھر اس کا مقام بہت بلند ہے۔

مردہ امام۔زندہ امام

مردہ امام تو وہ ہے جس بیچارے کو اپنے نمازیوں کا پتا ہی نہ ہو اور میں نے عرض کیا کہ شیطان وہاں پر دھوکا دیتا ہے۔ لیکن امام جو "زندہ امام" ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے مسجد میں آئے، مسجد میں آنے والا سب سے پہلا آدمی کون ہونا چاہئے؟ امام ہونا چاہئے۔ زندہ امام وہ ہے جو مسجد سے سب سے آخر میں نکلے۔

یاد رکھئے گا، امام کی حیثیت سے سب سے پہلے مسجد میں آنے کا اہتمام فرمائیں، سب سے آخر میں مسجد سے جانے کا اہتمام فرمائیں۔ مسجد میں جب تک آپ موجود ہیں، بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے یا چلتے ہوئے، اگر آپ سے کوئی ملے تو آپ بہت خندہ پیشانی سے ملیں۔ آپ اپنے چہرے کو بہت خندہ پیشانی کے ساتھ، مسکراتے رہنے کا اہتمام کریں تاکہ اسے ہمت ہو، اور وہ آپ سے اگر کوئی بات کرنا چاہے تو کر سکے۔ اگر آپ نے اپنا چہرہ کوستا ہوا، کھچا ہوا بنایا ہوا ہے تو وہ سائل بے چارا ڈر جائے گا کہ پتا نہیں، مولانا سے میں کوئی بات کر سکتا ہوں یا نہیں۔ اس لئے زندہ امام کی حیثیت سے بشاشت اور خوش روئی کے ساتھ آپ ملاقات کریں۔ یہی سنت ہے۔ بشاشت، خوش روئی، اور مسکراہٹ کے ساتھ ملنا ہی سنت ہے۔

وہ آپ سے ہاتھ ملائے تو سنت یہ ہے کہ وہ چونکہ آپ کا مقتدی ہے، آپ اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ چھڑائیں جب تک وہ مقتدی اپنا ہاتھ نہ چھڑالے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہ چھڑاتے تھے، جب تک کہ وہ اپنا ہاتھ خود نہ ہٹالے۔ یہ سنت ہے۔ وہ اپنا ہاتھ اگر چھڑانا چاہے تو چھڑا لے، آپ نہ چھڑائیں۔ اس کے بعد آپ کا مسجد میں حجرہ ہے، آپ اسے دعوت دیں کہ آئیے میرے ساتھ کمرے میں تشریف لائیں۔ ہاتھ پکڑے پکڑے لے جایئے۔ خوش روئی کے ساتھ ملیے۔ مصافحے میں ہاتھ نہیں چھڑایا اور پھر ساتھ ہی اسے اپنے حجرے میں آنے کی دعوت دی، پھر وہاں جا کر، پانی یا جو میسر ہے، خود اسے پیش کیا۔

اگر آپ بہت چھوٹے پسماندہ گاؤں میں ہیں، آپ کی مسجد چھوٹی سی ہے، آپ کے پاس وسائل نہیں ہیں تو بھی فکر کی بات نہیں۔ آپ ایک گھڑا یا ایک صراحی تو کمرے میں رکھ سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمرے میں کیا فریج رکھا تھا؟ تو پھر کیا تھا؟ گھڑا تھا۔ اس گھڑے سے آپ خود پانی لے کر کٹورے، گلاس میں اس ساتھی کو پیش کریں۔ آپ یقین کیجئے کہ آپ نے اگر ایسا کرلیا تو اپنے مقتدی کو آپ نے فتح کرلیا۔ اگر آپ کے پاس چھوہارے ہیں، کھجوریں ہیں، کچھ ٹوٹے ہوئے بسکٹ ہیں، چنے ہیں...... کوئی ضروری نہیں کہ وہاں قورمہ اور بریانی ہو...... یہ تھوڑی سی چیزیں اپنے پاس رکھیں، تھوڑے سے چنے پیش کردیں، ٹوٹا ہوا بسکٹ پیش کردیا، کھجور پیش کردی، آپ اس آدمی کے فاتح ہیں، آپ نے اسے فتح کرلیا۔ اب اس نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ نے مسئلہ بتادیا۔

آپ یقین کریں کہ یہ آدمی اب یہاں سے جائے گا اور جہاں جہاں جائے گا، جس جس کے پاس جائے گا، آپ کا تذکرہ کرے گا۔ کیا بات ہے ہمارے امام صاحب کی!

اتنے بااخلاق ہیں، اس طرح ملے، ایسے مصافحہ کیا، ایسے ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئے، اپنے ہاتھ سے مجھے پانی پلایا، اپنے ہاتھ سے مجھے چنے کھلائے، میں نے مسئلہ پوچھا، انہوں نے مجھے پوری توجہ کے ساتھ میرا مسئلہ مجھے بتایا۔ اب یہ دو لوگوں کو بتائے گا، چار کو بتائے گا، آٹھ کو کو بتائے گا، گھروں میں بتائے گا، دکانوں میں بتائے گا، ہر جگہ بتائے گا اور سب کے ساتھ چونکہ آپ کو ایسا کرنا ہے تو یہ سب آپ کے ساتھ عقیدت کے تعلق میں جڑتے چلے جائیں گے۔

خوب یاد رکھئے، اگر آپ کی مسجد خواہ وہ چھوٹے سے گاؤں میں ہو، چاہے وہ قصبہ میں ہو، چاہے وہ شہر میں ہو، کہیں پر بھی ہو، اگر آپ نے امامت کو امامت کے انداز میں اختیار کیا تو یہ سارے کے سارے آپ کے نمازی، یہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے، گاؤں اور محلے کے لوگ، یہ سب آپ کے معتقد ہو جائیں گے اور یہ تعلق اور یہ محبت، اور یہ عقیدت، یہ آہستہ آہستہ بڑھے گی۔ اور امامت کا انداز وہی چلے گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

دین عقیدت سے آتا ہے

خوب یاد رکھئے کہ دین عقیدت کے راستے سے آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے بھی ایمان کی حالت میں ایک مرتبہ دیکھ لیا، وہ صحابی ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے عقیدت مند تھے کہ قیامت تک اُن کی عقیدت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ عقیدت پیدا ہونی چاہئے، وہ محبت پیدا ہونی چاہئے، وہ تعلق پیدا ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ کیا تھا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی زمین پر گر پاتا تھا؟ کیا آپ کے منہ کا تھوک یا لعاب زمین پر گر پاتا تھا؟ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر یہ صحابہ کرام اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ یہ سب کیا ہے؟

یہ سب سبق ہے اس کا کہ آپ کے محلے یا گاؤں میں، کہیں انتقال ہو جائے تو سب سے پہلے آپ وہاں کھڑے ہوں۔ سارا انتظام آپ کرا کر دیں۔ کہیں خوشی ہو، سب سے پہلے آپ کھڑے ہوں۔ کہیں کوئی بیمار ہو، سب سے پہلے عیادت کرنے والے اور اس کی تیمارداری کرنے والے آپ ہوں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ عقیدت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ آدمی امام صاحب سے اپنی عقیدت کے باعث بچی کا رشتہ کرنے کے لئے مشورہ امام سے کرتا ہے، حالانکہ امام کا اس رشتے سے کیا تعلق ہے، نہ امام اس خاندان کا، نہ اُس خاندان کا، لیکن وہ مرد بھی کہتے ہیں کہ امام صاحب سے مشورہ کریں گے، گھر کی عورتیں بھی کہتی ہیں کہ جاؤ جا کر مولانا سے پوچھ لو، وہ جب تک نہیں کہہ دیں گے، ہم قدم نہیں اٹھائیں گے۔

یہ کیا ہے؟

یہ وہ عقیدت ہے کہ بازار میں دکان میں بھی...... آپ کا دکان سے کیا تعلق، آپ کا تجارت سے کیا تعلق، لیکن وہ آئے گا امام صاحب کے پاس۔ امام صاحب مجھے آپ سے دکان کے بارے میں پوچھنا ہے۔ فلاں دکان ہے، میں لوں یا نہ لوں، یہ معاملات ہیں، بتائیے کیا کروں۔ وجہ کیا ہے؟ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ امام ہمیں جو مشورہ دے گا، سو فیصد ہمارے ہی فائدے کا ہوگا۔

اس لئے میری گزارش ہے، درخواست ہے کہ ہم زندہ امام بنیں۔ ہم چاہے چھوٹے سے گوٹھ، گاؤں، قصبے میں کام کرتے ہوں، ہم ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو صرف امام ہیں، ہماری تو چھوٹی سی مسجد ہے، ہم یہاں کیسے کام کریں گے۔ نہیں! آپ وہیں سے بڑے بڑے کام کریں گے اور آپ کا کام بڑھے گا۔ آپ کا کام ترقی کرے گا۔ آپ کی وہ چھوٹی سی مسجد، اب چھوٹی نہیں رہے گی۔ آپ کا وہ چھوٹا سا مدرسہ، چھوٹا سا نہیں رہے گا۔ آپ کا فیض بہت دور دور تک پھیلے گا، بشرطیکہ آپ نے ان آداب کی رعایت کی ہو اور ان باتوں کا خیال رکھا ہو۔

دوسری چیز جو مسجد سے متعلق ہے، وہ مکتب ہے۔ آج اگر ہم کہیں مکتب میں پڑھاتے ہوں تو اپنا تعارف کراتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم نے خود ہی اس مکتب کو تسلیم نہیں کیا۔ مجبوری میں پڑھا رہے ہیں۔ ہاں، اگر کہیں مرقاۃ، تیسیر المنطق یا اور کوئی کتاب پڑھاتے ہوں تو فخر سے بتاتے ہیں۔ میرے دوستو،

یہ ہمارے اپنے "اندر" کا قصور ہے۔

ہمارے تمام اکابر مکتب کے حوالے سے بہت خوب سوچتے تھے۔ حضرت میاں جی نور محمد نور اللہ مرقدہٗ کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے آپ حالات پڑھئے۔ ان میں آپ کے سامنے بار بار یہ بات آئے گی۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے تو اسارت مالٹا کے بعد جو ہندوستان کے علماء سے خطاب فرمایا ہے، اس میں بھی اس کو بہت تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ قرآنی مکاتب کا اہتمام کریں۔

یہ مکتب معمولی چیز نہیں ہے۔ آپ اسے ہرگز معمولی نہ سمجھیں۔ اس میں جو چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اور بچیاں آتی ہیں، یہ خالی تختی ہیں۔ اس پر آپ جو لکھ دیں گے، وہ بچہ کبھی نہ بھولے گا۔ ساری زندگی وہی یاد رکھیں گے۔ میں اس طرح کے تقریباً ہر مذاکرے میں یہ بات کہا کرتا ہوں کہ میں نے مکتب میں پڑھا، میرے مکتب کے استاد نے جو دعائیں مجھے سکھائیں، اتنی طویل زندگی گزر گئی ہے، پتا نہیں کیا چیزیں پڑھی ہیں اور پڑھائی ہیں، لیکن میری عملی زندگی میں آج بھی وہی دعائیں ہیں جو میرے مکتب کے استاد نے مجھے سکھائی تھیں۔ مسجد میں داخل ہونے کی دعا، مسجد سے باہر نکلنے کی دعا، دودھ پینے کے بعد کی دعا، آئینہ دیکھنے کی دعا۔ وہ ساری دعائیں یاد ہیں جو مکتب کے استاد نے سکھائی تھیں۔ لہٰذا، مکتب کے استاد کو معمولی نہ سمجھیں۔ مکتب پر بہت زیادہ توجہ دیجئے اور اس کا بہت اہتمام کیجئے۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ محلے یا کمیٹی والے تنخواہوں کی مد میں بہت بخیل ہوتے ہیں، خرچ نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ باقاعدہ کوئی استاد رکھنے کے بجائے امام صاحب یا مؤذن صاحب یا خادم صاحب سے کہتے ہیں کہ بھئی، یہ ظہر کے بعد بچے آتے ہیں ذرا انہیں بھی دیکھ لینا۔ ہمیں بھی اس پر غصہ آتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہر مرض کا علاج ہمیں ہی بنالیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم بھی بچوں کے ساتھ وہ ہی سلوک کرتے ہیں۔ اب بچے جمع ہوگئے تو ہم نے ایک لاٹھی اٹھائی اور وہ تپائی پر مار رہے ہیں، بچے بھاگ رہے ہیں، یہ کررہے ہیں، وہ کررہے ہیں۔ ایک گھنٹہ یا آدھا گھنٹہ گزر گیا اور پھر چھٹی ہوگی، چلو!

ہم اللہ کے بندے ہیں

یاد رکھئے، ہم کسی کے ملازم نہیں ہیں۔ ہم تو اللہ کے بندے ہیں۔ ہمیں تو یہ کام پوری دیانت داری کے ساتھ کرنا ہے۔ ان میں سے ہر ہر بچہ اور بچی پر محنت کرنی ہے اور ہمیں ان کو جیسے ا، ب، ت، ث، سکھانا ہے، اس کا تلفظ درس کرانا ہے اور ان کے مخارج درست کرانے ہیں، ایسے ہی ایک بہت دیندار بچہ اور ایک بہت دین دار بچی بنانا ہے۔

مسجد اور مکتب پر محنت کا نتیجہ

میری یہ بات بھی یاد رکھئے گا کہ اگر آپ نے مسجد پر محنت کی تو مہینوں میں نہیں، دنوں میں آپ کی مسجد کی حاضری کہیں سے کہیں ہوجائے گی۔ نمازی دور دور سے آئیں گے، دوسری مسجدیں چھوڑ چھوڑ کر آپ کی مسجد میں آئیں گے۔ اسی طرح، آپ نے مکتب پر محنت کی اور واقعۃً آپ نے دیانت داری کے ساتھ محنت کی تو آپ دیکھ لیجئے گا کہ آپ کا مکتب دیکھتے ہی دیکھتے تیزی کے ساتھ ترقی کرے گا۔ اس لئے کہ یہ وہ خبریں گھروں میں جائیں گی، بچی جاکر سلام کرے گی، بچی جاکر ماں سے کہے گی کہ آئینہ دیکھنے کی دعا یہ ہے، بیت الخلاء جانے کی دعا یہ ہے، تو کیا ماں پر اثر ہوگا یا نہیں ہوگا؟ ہوگا! پھر، ماں کے پاس پڑوسن آئے گی، وہ اُدھر اُدھر کی کہے گی اور یہ بھی بتائے گی کہ میری بچی تو مسجد جارہی ہے، ماشاء اللہ قرآن بھی اتنا اچھا ہورہا ہے، نماز بھی اتنی اچھی ہورہی ہے، دعائیں بھی اتنی اچھی ہورہی ہیں، وہ جو پڑوسی سنیں گی تو کیا کہیں گی؟ ہماری بچی بھی وہی جانی چاہئے، پرانی جگہ سے ہٹاؤ، وہاں تو ایک سال ہوگیا کچھ بھی نہیں آیا۔ جو نئے مولانا صاحب آئے ہیں، یہاں کام ہوتا ہے، یہاں بھیجو۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کا مکتب ترقی کرے گا۔ آپ کی مسجد ترقی کرے گی۔

میری گزارش اور درخواست ہے کہ مکتب کو کبھی بھی معمولی نہ سمجھئے۔ □□

مولانا محمد یحییٰ مدنی

زندگی کی ترتیب کو بدلو!

حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کا ایک بیان

حق تعالیٰ نے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنا علم عطا فرمایا، جو خالق اور مالک و قادر ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ جب کہ جو انسان جانتے ہیں، وہ جہالت ہے۔

جہالت کی دو اقسام

1- نہ جاننا

2- غلط جاننا

اب یہ تاجر اپنی محنت سے مال ملنا ممکن سمجھتے ہیں، حالانکہ مال اللہ دیتے ہیں، اللہ کھیتی اُگاتے ہیں اور یہ کھیتی والے اپنی محنت سے کھیتی اور کھیتی سے پرورش جانتے ہیں، یہ جہالت ہے۔ اب زندگی جتنی جہالت پر ہوگی، اتنی ہی پریشانیوں کا سبب ہوگی۔

انسان کے اور خدا کے علم کی تفریق یہ ہے کہ انسان کامیابیاں چیزوں میں سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کامیابیاں اعمال میں بتارہے ہیں۔ اس لئے علم حاصل کرو اور علم کے مطابق یقین اور عمل بناؤ، تب کامیابیاں ملیں گی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ کا واقعہ

امام غزالی رحمۃ اللہ کا واقعہ سنا ہوگا کہ آٹھ دس سال تک علم پڑھا اور تقاریر لکھیں۔ واپسی پر ڈاکوؤں نے ڈاکا ڈالا، جس میں یہ لکھی ہوئی تقاریر تھیں، چوری ہوگئیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ ڈاکوؤں کے سردار سے وہ تقاریر واپس مانگنے گئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے صندوق تو واپس کردیا اور کہا کہ صاحب زادے، تم نے وہ علم حاصل کیا جو چوری ہوگیا؟ اس بات کا اُن پر ایسا اثر ہوا کہ ساری کاپیاں پھاڑ ڈالیں اور کہا کہ اب وہ علم حاصل کروں گا، جو چوری نہ ہوسکے۔ پہاڑوں میں جاکر پڑ گئے اور اعمال و اخلاق کی محنت کی۔ پھر اُن کے اندر سے علوم نکلے اور انہوں نے ''احیاء العلوم'' لکھی جس میں انہوں نے اندر کی باتیں لکھیں کہ جھوٹ، زنا کے اندر کیا ہوتا ہے؟ اس زمانے کے علماء خلاف ہوگئے، یہاں تک کہ کفر تک کے فتوے لگ گئے۔ جب بہت لے دے ہونے لگی، امام غزالیؒ ایک طرف اور تمام علماء دوسری طرف ہوگئے تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے علماء بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غزالی سچ کہتا ہے۔'' اب یہ سارے علماء امام غزالی رحمۃ اللہ کے قدموں میں آگئے۔

محنت کے دوراستے

دوراستے ہیں: ایک تو ہے کائنات سے فائدہ حاصل کرنا، رمضان کا مہینہ بونے کا ہے۔ یہ مہینے بدلتے نہیں۔ یہ تو کائنات کے اعتبار سے ہیں۔ دوسرا یہ کہ خدا بغیر کمائے، پالیں اور بغیر لڑائی کے فتح دے دیں۔ خدا کی یہ قدرت ہے کہ پتھر میں سے اونٹ اور زمین پھاڑ کر پانی نکال دیں۔ اب اگر خدا کی یہ قدرت ہے تو یہ خالی بول نہیں ہے، بلکہ اس پر چلنے کا راستہ ہے۔ بالکل تمہاری کھیتی، سونے چاندی کے مقابلے کا راستہ۔ چنانچہ جو چیزوں کے لئے محنت کرے گا، وہ تو تابع بن کر چلے گا۔

کیا تم یوں سمجھتے ہو کہ پبلک تابع ہے؟ نہیں، حکومت زیادہ تابع ہے عوام کے۔ بہت سی جگہ یوں انصاف نہیں کرتے کہ پبلک ہماری خفا ہوجائے گی اور ہماری حکومت ہوتی رہے گی۔ (اس راستے میں چلنے والا گویا ایسا ہے کہ) کولہو کے بیل کی طرح صبح سے شام چلتا رہے گا اور آنکھ پر

پٹی بندھی رہے گی اور یوں سمجھے گا کہ بھئی پہنچ جانے والا ہوں۔ شام کو آنکھ کھولے گا تو پتا چلے گا کہ وہیں موجود تھا کہ جہاں سے چلا تھا۔ اس راستے میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے اور ملتا بہت تھوڑا ہے۔

ایک دوسرا نظام ہے، یعنی قدرت سے فائدہ حاصل کرنا۔ اس کے لئے روزانہ کی نماز رکھ دی۔ پہلا مقابلہ تو سورج سے رکھ دیا۔ کمائی یوں کہے گی کہ یہاں آ جا اور سورج کہے گا کہ نماز کا وقت ہے، نماز پڑھ اور پھر ہاتھ پھیلا کر خدا سے مانگ۔

اب روزمرہ تو سورج سے مقابلہ کرا دیا۔ اب قدرت سے فائدہ جب ہوتا ہے کہ جب آدمی کائنات کا مقابلہ کرتا ہے۔ اب یہ بھی ضروری ہے کہ روزانہ کی ترتیب سے نماز میں اس طرح لگے کہ اس کا علم بھی سیکھا جائے۔ اس نماز میں تمہارا دھیان، خشوع وخضوع بڑھ رہا ہو۔

نیز ایمان دیکھنے کے لئے اس کی مشق کے لئے کچھ وقت دو کہ چیزوں سے نہیں، بلکہ خدا کی قدرت سے ہوتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کو اختیار کر کے دعا مانگنے سے ہوتا ہے۔ کلمے کی باتیں روز کرو، جتنے بڑھیا بننا چاہتے ہو اتنی روزانہ تعلیم کرو اور روز ذکر کرو۔ اب چاہے لوگ پارلیمان کے ممبر بنتا دکھا رہے ہوں، لیکن تم تمام اعمال کو مسجد میں کرو۔ یہ بڑا مقابلہ ہوگا کبھی دوائی سے، کبھی ممبری سے وغیرہ۔

کوئی کچھ کہے، ہم تو بھئی خدا کی قدرت سے لینے کی فکر کے آدمی ہیں۔ روزانہ اعمال کو مسجد میں اتنا کرو جتنا تم حوادث عالم سے محفوظ رہنا چاہتے ہو۔ جتنا تمہارا باہر وقت کم لگے گا، مسجد میں زیادہ لگے گا، اتنا ہی زیادہ مال اور راحت وآرام پاؤ گے۔ مسجد کے اعمال میں جتنا تمہارا وقت زیادہ، اتنا ہی تم کامیاب ہو۔ یہی حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح سے مراد ہے۔

نماز کی درستگی کا دھیان

نماز کی طرف بلانے کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے متعلق جتنی چیزیں بھی ہیں ان سب کی طرف بلایا ہے۔ یہ نہیں کہ مؤذن کی آواز سن کر مسجد کی طرف بھاگا اور راستے میں ہوا سرکتی جا رہی ہے، پھر بغیر وضو کے نیت باندھ لی تو بھئی، تمہاری نماز نہ ہوگی۔ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ نماز کی طرف بلایا گیا ہے تو خالی رکوع، سجدہ یا قعدہ کرنے کے لئے نہیں بلایا۔ اب خالی نماز نہیں، بلکہ اس میں نماز کے لئے طہارت، جسم اور کپڑے پاک کرنا، وضو کرنا اور دل میں پاکیزگی وتقویٰ کا پیدا ہونا، اللہ کا دھیان پیدا ہونا اور خشوع وخضوع کا پیدا ہونا، سب کچھ داخل ہے۔ ان تمام چیزوں کے اہتمام سے نماز ہوگی اور خدا پھر تمہارے لئے امداد کے دروازے کھولے گا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا میں سے راستہ اور نوح علیہ السلام کے لئے اقلیت میں کامیابی کا دروازہ کھلا۔ اسی طرح، قیامت تک کے انسانوں کے لئے کامیابی کے دروازے کھلیں گے۔

دجال اور یاجوج ماجوج کا فتنہ

دجال آئے گا، ابھی تو وسائل سے کامیابی حاصل کرنے کی سعی ہے، مصنوعی بارش کرتے ہیں، اگر سارے سائنس دانوں کو جمع کر کے یوں کہو کہ اپنے حکم سے بارش کر کے دکھاؤ تو یہ نہ کر سکیں گے۔ دجال اپنے حکم سے بارش کر کے دکھلائے گا اور زمین میں سے غلہ اور سونا نکال کر دکھائے گا۔ وہ ایک بستی والوں سے پوچھے گا کہ تم مجھ کو خدا مانتے ہو؟ وہ کہیں گے نہیں۔ تو ساری کھیتیاں خشک ہو کر کانٹا ہو جائیں گی اور دوسرے بستی والے کہیں گے کہ کفر کی طاقت یہاں تک پہنچی ہے۔ لیکن دجال جیسی طاقت رکھنے والا امام مہدی علیہ السلام کو دیکھ کر پگھلتا چلا جائے گا اور بالکل ختم ہو جائے گا۔ امام مہدی علیہ السلام قرآن کے مطابق احکام دیں گے۔ وہ دجال مکہ میں غیبی فرشتوں کے نظام کی وجہ سے اندر نہ داخل ہو سکے گا۔ مدینہ میں بھی نہ گھس سکے گا۔ پھر زلزلہ آئے گا اور کچھ ایمان والے مکہ مدینہ سے باہر نکل کر دجال سے مل جائیں گے۔ پھر خدا کی قدرت سے یہ دجال ختم ہوگا۔

اس کے بعد یاجوج ماجوج نکلیں گے اور یہ لوگوں کو کچے کھا جائیں گے، جیسے تم

امرود کھاتے ہو۔ اس کا ایک چلہ گزرے گا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پہاڑوں میں کلمہ سوئم پڑھ کر پیٹ بھرے گی، سارے مشرکین کو وہ کھا جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک بیماری بھیجیں گے اور یہ سب ختم ہو جائیں گے اور ان سے بدبو اٹھے گی اور پھر اللہ بارش لاکر ساری زمینوں کو صاف کردیں گے۔ پھر ایمان والے، جن کی نمازوں اور تسبیح پر یہ قوم بھی ختم ہو جائے گی، آکر پہاڑوں سے پھر دنیا میں بس جائیں گے۔ قدرت سے چمکنا تو قیامت تک ہوگا۔ کمزوروں کا تو یوں چمکنا ہوگا، یہ قیامت تک ہوگا۔ اب ہمارے پاس محنت کر کے قدرت سے فائدہ حاصل کرنے کا وقت ہے۔

چیزوں کا یقین توڑ کر قدرت سے حاصل کرنے کا یقین

اس مسجد کی آواز ہے، چیزوں سے ہونے کا یقین توڑ اور یہاں آ۔ قدرت سے فائدہ حاصل کرنے کا یقین بنا اور اپنے اعمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے والے بنا کر، ہاتھ اٹھا کر، خدا سے مانگ۔ پھر جو تو مانگے گا، خدا اپنی قدرت سے وہ کریں گے۔ اب روزانہ کا مشاہدہ تو یہ ہے کہ تاجر کا اپنی دکان اور گھر سے ہے، کھیتی والے کا زمین، بھینس، بیل وغیرہ سے ہے۔ اس کے مقابل مسجد کی آواز ہے کہ اپنی کھیتی اور دکان کی محنت کو چھوڑ، چیزوں سے کیا ہوتا ہے؟ کیا تو نے فرعون اور قارون کا حال نہ پڑھا؟ مال سے قارون کا کیا بنا؟ تو محنت کر کے اپنے اعمال ٹھیک کر لے۔

اب محنت تو کرے شیطان بننے کی اور کام اٹکے تو کسی بزرگ سے دعا کرانے چلے۔ ارے تجھے تو خدا نے خود بزرگ بننے کے لئے بنایا ہے، تو کیوں شیطان بننے کی محنت کر رہا ہے، اب ولیوں کے تو ڈھول پیٹے اور اگر تیرا اپنا لڑکا ولی بننے کی محنت کرے تو تو جان کو آجائے کہ تو کیوں ولی بننے کے پیچھے پڑ گیا کہ سارا خاندان تو شیطان بننے کی محنت کر رہا ہے، پھر تو زور باندھ کر کیوں فقیر یا ولی بننے کی محنت کرنے لگا؟ لیکن، سن لو کہ خدا نے تمہارے لئے ولی ہونے کا دروازہ بند نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ جنتی کو پکاریں گے کہ اے اللہ کے ولی! اگر ولی نہ بنا تو تو جنت میں نہ جائے گا۔ جنت شیطانوں کی جگہ نہیں ہے۔ وہ جنگل میں پڑے تو دنیا آج تک ان کے دسترخوان پر کھا رہی ہے اور اگر تو ولی بننے کی سعی کرے تو کیا تیرے ایک گھر کی بھی زندگی نہ بنے گی؟ یہ جتنے پہلے ولی بنے ہیں، اپنے گھر سے نہیں، بلکہ خدا کی غلامی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں سے ولی بنے ہیں۔ دیکھو، بلکہ خدا کی غلامی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں سے ولی بنے ہیں۔ دیکھو، اگر ولی بننے کی محنت ابھی کر لی تو کر لی، ورنہ پھر آئندہ پر بات چلی جائے گی۔ اب اگر تو ان چار ماہ میں محنت کر لے تو تو ولی بن جائے گا، ورنہ تو شیطان رہ جائے گا اور جنت شیطانوں کے لئے نہیں، ولیوں کے لئے ہے۔

اب تو محنت کر کے کائنات کے راستے سے قدرت کی طرف آجا کہ میں نے تو محنت کر کے اپنی محنت کی ترتیب بدلنی ہے۔ اعمال ٹھیک کر کے خدا کی قدرت سے فائدہ حاصل کروں گا۔ میں قارون اور فرعون کا نائب نہیں بنوں گا۔ قارون کا نائب وہ ہے جو مال جمع کرنے کے چکر میں ہیں۔ جو حکومتوں کے چکر میں ہیں۔ وہ فرعونوں کے نائب ہیں۔ اور انبیاء کے نائب وہ ہیں جو در در خاک چھانیں اور لوگوں کو یہ کہتے پھریں کہ محنت کر کے اپنی نماز کو ٹھیک کر کے دعا مانگیں گے تو خدا ہمیں کامیاب کریں گے۔

نبیوں کی طرح انسان

اس لئے، اب تم کائنات کی چیزوں کی محنت پر تو لات مارو، اور عبادات کو ٹھیک کر کے دعا مانگ کر اپنے مسائل کو ٹھیک کرا کر...... نبی تو نہیں بن سکتے...... لیکن نبی کی قسم کے آدمی بن جاؤ۔ جو نبیوں کی طرح کا بنے گا تو ان کی دعائیں نبیوں کی طرح قبول ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نبیوں کی قسم کے آدمیوں کے بننے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ صرف اپنی نماز بنانا یہ تو اولیاء کی قسم ہے، باہر نکل گئے اور جنگلوں میں پڑ کر اپنا یقین اور نماز بنائی۔ پھر ان کے یقین سے

دوسروں میں یقین آتا ہے۔ جب کہ نبیوں والی قسم یہ ہے کہ نمازی بنانے کی محنت کی جائے۔ آواز لگاؤ۔ مجمع میں کود پڑو اور راکٹ سے لے کر چاند تک سے ہونے کی تردید کرو۔ مجمع میں گھس جاؤ امریکا سے لے کر روس تک، پاکستان سے لے کر ترکی تک جتنے نقشے انسان بنا رہے ہیں، ان سب کے سوا صرف اللہ سے ہونے کی تصدیق کرو۔ یہ جتنے ظاہری نقشے ہیں، اگر اللہ چاہے تو سب تہس نہس ہوجائیں۔ اصل یہ ہے کہ جس نے محنت کر کے اپنا یقین قدرت والا بنالیا اور اعمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بنالئے وہی باقی رہے گا۔

اگر چار چھے گھنٹے کے لئے خدا نے جھنکا دیا پوری زمین کو جس طرح جامن میں نمک ملا کر گھلا دیں تو صرف ایمان والے کا جھونپڑا باقی رہے گا اور باقی سب ختم۔ دنیا والے تو اس طرح بھاگیں گے جس طرح چوہا بلی کو دیکھ کر بھاگتا ہے اور یہ غریب ایمان والا نماز میں لگے گا اور دعا مانگے گا کہ اے اللہ! میرا جھونپڑا بچادے۔ میں نے آج ہی کے دن کے لئے تو ایمان بنایا تھا۔

اگر تم یقین پر محنت کرلو تو یہ چیزیں جو میں کہہ رہا ہوں، اللہ کر کے دکھلائیں گے اور لوگ انہیں دیکھ دیکھ کر ہدایت کی طرف پلٹیں گے۔ یہ راستہ بہت پرانا اور تجربہ شدہ ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ کھیتی کریں گے، غلہ ملے گا اور غلے سے پیٹ بھرے گا اور دوسرا یہ ہے کہ محنت کریں گے، عمل ٹھیک کر کے دعا مانگیں گے تو خدا اپنی قدرت سے زندگی بنائیں گے۔ اس کے لئے چار ماہ ہیں۔

غیبی نصرت کے چند چشم دید واقعات

ایک مسافر راستہ بھولا ہوا، پیاس کے مارے بے ہوش ہو کر گرا۔ جب اٹھا تو گدھا کھڑا ہوا تھا۔ اس پر پانی اور کھانا تھا۔ پانی پیا، کھانا کھایا، ساتھیوں کو پانی پلایا اور کھانا کھلایا۔ اب کہا راستہ بھول گئے، کچھ معلوم نہیں۔ اتنے میں گدھا چل پڑا اور یہ اس کے پیچھے چل دیے تو گدھے نے ایک راستہ پر انہیں ڈال دیا اور پھر خود ایک چھلانگ مار کر غائب ہوگیا۔

ابھی ایک ماہ کا واقعہ ہے کہ ایک جماعت مدینہ منورہ کے راستے میں پیدل چلی۔ پانی ختم ہوگیا۔ تیمم کر کے صلوٰۃ الحاجت پڑھی۔ پھر جماعت کا ایک آدمی ایک طرف گیا اور پتھر لے کر کھودا تو ایسی زمین سے جہاں اسی اسی ہاتھ پانی نیچے تھا، خدا نے تھوڑی دیر کھودنے پر میٹھا پانی نکال دیا۔ اب علاقے والوں نے کہا کہ یہاں اسی نوے ہاتھ سے کم نیچے تو پانی نکلتا ہی نہیں ہے اور میٹھا پانی تو اس علاقے میں کہیں ہے ہی نہیں، خدا نے تمہاری دعا پر یہاں سے پانی نکال دیا۔ اسی طرح، اگر تم نے اپنے یقین و اعمال بنانے میں محنت کی تو تمہاری دعاؤں پر ترتیب عالم بدل سکتی ہے۔

اب اگر تم اول نمبر پر آنا چاہو تو ہر سال چار ماہ رمضان المبارک سے ذوالحجہ تک لگا دیا کرو، دوسرے درجے کا بنا چاہو تو ایک چلہ رمضان کا اور ایک چلہ ذوالحجہ کا دے دیا کرو۔ درمیان میں کچھ گھر ہو آیا کرو۔ اب یہ نکلنا مقابلے کے ساتھ ہوگا تو خدا تمہارا یقین بنادے گا۔ اب تمہارا نقد نکلنا اس طرح ہوجائے کہ تمہارے نقد نکلنے اور چیزوں کے مقابلے میں نکلنے کی وجہ سے اور تمہاری محنت و قربانی کی وجہ سے خدا تمہیں یہ کہہ دیں گے کہ یہ ہمارا کام کرنے والا ہے، پھر خدا تمہاری سنیں گے۔

اپنا وزیر داخلہ وخارجہ، گھر کی عورتوں کو بنا رکھا ہے

اب یہ محنت کرنے کی ایک ترتیب تو یہودیوں کی سی ہے کہ خدا نے ان کے امتحان کے لئے منع کر دیا تھا کہ اس دن میں مچھلی نہ پکڑنا تو اُس دن یہ گھڑے کھود آتے کہ مچھلیاں وہاں آ کر جمع ہوجائیں اور دوسرے دن جا کر اٹھا لیتے کہ مچھلیاں بھی زیادہ آتیں اور خدا کا حکم بھی رہ جاتا، حالانکہ شکار تو انہوں نے کل ہی کیا تھا۔

اس انداز سے تو محنت والے نہ بنو گے۔ اب ایک تو ترتیب یہ ہے کہ منشی جی مولوی عبداللہ جہاں چاہے، مجھے بھیج دو۔ اب ہر ایک کے پاس دس بارہ آدمی ہیں تو بھئی ہرنوں کی ڈار کی طرح تمہاری جماعتیں پورے ڈویژن میں پھریں گی۔ دوسری

ترتیب یہ ہے کہ ہمیں وہاں بھیج دو جہاں آج تک جماعت نہ گئی ہو اور جہاں جماعت میں جانے کی ضرورت ہو۔ میری گزارش ہے کہ ان چار ماہ میں تو اسی طرح کرلو۔

میں تو یہ جانوں کہ تم نے وزیر داخلہ و خارجہ اپنی اپنی بیویوں کو بنا رکھا ہے۔ اب چاہے پورا قرآن سنادو، زمین و آسمان کا بدلنا سنادو، یہ کہہ دیں گے کہ نہیں بھئی۔ گھر والی نے ذرا ہنستے ہوئے یہ کہہ دیا کہ دیکھ، کسی کی باتوں میں نہ آجائیو اور بیس یوم میں آجائیو۔ اب یہ درمیان میں واپس جانے کی فکر میں ہیں اور پوچھو تو کہیں گے کہ گھر والی نے دس روپے دیے ہیں۔

ارے کم عقل، کمائے تو گھر والی کون ہے پیسے دینے والی؟ بھینس کے لئے تو وہ کتنی سونا نکال کر دے دے اور تبلیغ میں جاؤ تو صرف بیس دے؟ یہ وزیر داخلہ اس طرح کا ہے کہ گھر کا سارا انتظام عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ شادی پر ذرا تم نے رسوم کے بارے میں کہا تو اس نے منہ بنا کر کہہ دیا کہ تم نے سدا مولوی ملاہی کی مانی ہے۔ اب یہ کہے گا کہ نہیں، میں تیری ہی مانوں گا، چاہے تو مجھے جہنم میں ڈلوا دے۔

پیسے کی حرص و لالچ نے عالم میں اسلام کو پھیلنے سے روکے رکھا ہے

اب میوات اور یوپی والوں کی عورتوں کا یہ معیار ہے۔ یہ حیثیت ہے۔ ایک میو نے کہا کہ دس لایا ہوں اور ہم نے نکلوائے تو سو کا نوٹ تھا۔ ہم نے کہا، کلکتہ چلا جا۔ اب وہ مان کر نہ دیا کہ گھر والی نے دس کا نوٹ مجھے دیا ہے۔ اب اگر سو خرچ کردیے تو وہ لڑے گی، لہٰذا مان کر نہ دیا۔

اب ایک اور ترکیب آئی۔ ان کی گھر والی نے کہہ دیا کہ دیکھ، مرادآباد جائے گا تو بڑے بڑے گلاس لے آئیو، یہ الگ جیب میں روپے رکھ لے، اور دس تبلیغ کے لئے رکھ لے۔ اب گھنٹہ (گھڑی) برات میں دینے کے لئے، تو گھنٹہ خریدنے بھی آئیں گے۔ اور کیا ترکیب کریں کہ پوری جماعت میں کسی کے پاس ہو، کسی کے پاس پچاس اور کسی کے پاس بیس ہیں۔ اب منشی جی نے پوچھا تو سو والا چپ رہتا ہے اور بیس والا بولتا ہے۔ منشی جی چاہی ہماری تلاشی لے لو، بیس ہیں اور سو والا ماشاء اللہ جھوٹ بھی نہیں بولتا اور چپ بیٹھا ہے۔ چنانچہ بیس والی جماعت میں تشکیل ہوگئی تو یہ اب کہتا ہے کہ اتنے میرے پاس اور ہیں۔ ہمیں یہ پتہ جب چلا کہ جب ایک کے سو روپے جیب کٹنے سے چوری ہوگئے، جب کہ رات کو اس نے بہت پوچھنے پر بیس بتایا تھا۔ اب ہمارے پیسہ دبا کر رکھنے کی محبت نے سارے ملک میں پھر کر محنت کرنے کو روک رکھا ہے۔

دعوت، نماز اور اخلاق کے بدلنے سے

اب یہ چار مہینے ترتیب کے بدلنے کا دورانیہ ہے۔ اس سے لوگوں کے دل ایمان، اعمالِ صالحہ اور اخلاق کی طرف پلٹیں گے۔ اب باہر نکل کر اپنے چوبیس گھنٹے دعوت، نماز، اخلاق، خدمت میں گزار کر ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگو۔ اس پر خدا ترتیب عالم بدلیں گے، جن کو چکانا ہوگا ان کو ہدایت کی طرف موڑ کر چکائیں گے اور جنہیں برباد کرنا چاہیں گے انہیں برباد کردیں گے۔ ●

بقیہ...... سوال و جواب

ج: غیبت کی ممانعت تو خود قرآن مجید میں آئی ہوئی ہے، اور اس کو مردار بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف بتایا گیا ہے، البتہ احادیث میں کئی واقعات کا ذکر ہے کہ لوگوں نے اپنے معاملات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے، اور آپ نے ان کا تصفیہ بھی کیا۔ (مثلاً حضرت ابوسفیان کی زوجہ حضرت ہندہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ابوسفیان ان کو اور ان کے بیٹے کو خرچ نہیں دیتے، حضرت ابوسفیان اس وقت موجود نہیں تھے)۔ اس طرح کے معاملات کو حکام کے سامنے پیش کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کو غیبت میں شامل نہیں کیا گیا، لہٰذا کسی ایسے عزیز کے سامنے معاملہ پیش کرنا جن کے بارے میں امید ہے کہ معاملات درست کرادیں گے غیبت میں شامل نہیں ہے، اگر اس طرح کی امید نہ ہو تو گویا اس کی بیچارگی کے سبب غیبت کا گناہ نہ ہو لیکن یہ مصالح کے خلاف اور بے فائدہ ہے۔ (ہندیہ: 5/362)

□□□

مولانا شیر محمد امینی

رسولِ اکرمؐ کے عظیم اخلاق و کردار

جب سے انسان اس دنیا میں آباد ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دور میں کسی نہ کسی خطے میں کوئی انسان ایسا ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس نے انسانوں کو سیرت و کردار کی تعمیر کی دعوت دی اور اخلاق و اعمال کی درستگی کا درس دیا۔ ان اخلاقی رہنماؤں نے ہمیں بنیادی انسانی صفات پر قائم رہنے، حیوانوں سے ممتاز زندگی گزارنے اور بلند ترین اخلاق صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی تعلیم دی۔ ان ہی رہنماؤں میں سے ایک مقدس و پاک ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت پیدا ہوئے جب پورا عرب شدید اخلاقی بحران کا شکار تھا اور دنیائے انسانیت میں عجیب ہیجان سا برپا تھا۔ اخلاقی اصول بے محابا توڑے جارہے تھے اور انسانیت کی برسر عام تذلیل کی جارہی تھی۔ انسان سیرت و کردار کی تعمیر سے غافل وعزت و ناموس کی تخریب کاری میں مشغول تھا۔ وہ ساری انسانی صفات سے بے پرواہ اور بلند اخلاقی اصولوں سے نابلد تھے کھلے عام بدکاری کرنا، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، دوسروں کی عزت و جان پر حملہ آور ہونا۔ یہ عام سی بات تھی۔ ایسے میں اخلاق و کردار کی بات کرنا کچھ ایسا ہی تھا جیسے صحرا میں صدا لگانا، مگر اس نبی اُمّی نے اپنی ساری عمر اخلاقی اصولوں کی تبلیغ اور الٰہی قوانین کی اشاعت میں گزار دی اور ایک دن کے لئے بھی وہ اپنے ماحول کی تیرگی سے مایوس نہ ہوئے۔ آخرکار وہ دنیائے انسانیت سے اخلاقی باختگی کی انسانیت سوز فضا کو ختم کرنے میں پورے طور پر کامیاب ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت شاقہ نے ایک مردہ وافسردہ قوم میں زندگی کی روح پھونک دی۔ باہم برسرپیکار قبیلوں کے مجموعہ متفرقات کو وحدت بخش کر ایک ایسی قوم بنادیا، جس کا محرک عمل حیات ابدی کی امید تھی۔ روشنی کی جو منتشر شعائیں اس وقت علاحدہ علاحدہ دل انسانی پر پڑی تھی انہیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نقطہ پر مرکوز کردیا۔ معاشرہ کو نہ صرف ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا، بلکہ اس معاشرہ کے افراد کو انسانیت کا علمبردار بنا کر پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں روحانی و اخلاقی پاکیزگی، فرد کی آزادی، فرد اور معاشرہ کے مابین ایک توازن قائم کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

عام طور پر دنیا کے دوسرے معلمین اخلاق کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جن اخلاقی اصولوں کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن ملکوتی صفات کو جذب کرنے پر زور دیتے ہیں خود ان کی اپنی زندگی میں ان تعلیمات کا اثر بہت کم ہوتا ہے، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کو کہیں بھی یہ نقص نظر نہیں آئے گا جو شخص سیرت و کردار پا کی جتنی زیادہ گہرائی میں جائے گا وہ اسی قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق اور پاکیزہ کردار کا مدح سرا نظر آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ نیکی کا کوئی کام اور ثواب کا کوئی عمل ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس پر عمل کرتے تھے۔ آپ جب کسی بات کا حکم دیتے تو پہلے آپ اس کو کرنے والے ہوتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابی اور وفادار خادم تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا اور آپ کی سیرت مبارکہ کا بڑی گہرائی سے

مشاہدہ کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پورے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیوں نہ کیا۔ بلاشبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ محاسن اخلاق کے حامل تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ قریب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور اخلاق و اعمال کے مشاہدے کا موقع ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میسر آیا تھا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ظاہری اور خانگی معمولات و عادات سے واقف تھیں۔ ایک مرتبہ چند صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ام المومنین! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور معمولات بیان فرمایئے تو عائشہ صدیقہ نے جواب دیا کہ کیا تم لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا؟ کان خلق رسول القرآن "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا" (ابوداؤد شریف) یعنی قرآنی تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار میں رچی اور بسی ہوئی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ذرا بھی منحرف نہ تھے۔ خود قرآن کریم میں آپ کے بلند اخلاق و کردار کی شہادت دی گئی ہے کہ "بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔" (سورہ القلم آیت:4)

رشتہ داروں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بچپن سے جوانی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے، طبیعت میں مہربانی تھی سخت مزاج نہ تھے۔ کسی کی دل شکنی نہ کرتے تھے، بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رؤف و رحیم تھے۔ (شمائل ترمذی) جب مکہ فتح ہوا تو حرم کے صحن میں قریش کے تمام سردار مفتوحانہ انداز میں کھڑے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے وہ بھی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے۔ دہکتے شعلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے۔ آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، مگر قربان جایئے محمد عربی پر کہ اس نے ان تمام جرائم سے قطع نظر، جانی دشمنوں پر ہر طرح سے غلبہ کے باوجود ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور اپنی بلند اخلاقی کا کیسا دائمی اور عالمگیری نمونہ دنیا والوں کے لئے قائم کردیا؟ اس سلسلے میں مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا "**لا تثریب علیکم الیوم اذہبوا فانتم الطلقاء**" آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو (نبی رحمت:457)

ابوسفیان جو غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق وغیرہ میں لڑائیوں کا سرغنہ تھا۔ جس نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرایا، کتنی دفعہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

قتل کا فیصلہ کیا، جو ہر ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تھا تو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور عفو عام ابوسفیان سے کہتے ہیں کہ ڈر کا مقام نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کو معاف فرمادیا بلکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ من دخل دار ابی سفیان کان آمنا جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے۔

بلند اخلاق کی ایسی جیتی جاگتی، دائمی اور عالمگیر مثال کیا کوئی پیش کرسکتا ہے یا دنیا نے اپنے معرض وجود کے دن سے اب تک ایسی نظیر دیکھی ہے؟ ہر گز نہیں! یہ فضل خاص ہے جو اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا تھا رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی ذمہ داری قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم تھی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کا عملی نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ قرآن کو راہ راست کی ضمانت قرار دیتا ہے "بیشک یہ قرآن سیدھے راستے پر گامزن کرتا ہے۔" (سورہ بنی اسرائیل) اور دوسری طرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو نمونہ زندگی بنالینے کی تلقین کرتا ہے کہ تمہارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے مگر اس شخص کے لئے جو اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہے اور کثرت سے ذکر خدا کرتا ہے۔ (سورہ احزاب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس قرآن کی تعلیم فرماتے اپنی عملی زندگی میں اس کو قابل تقلید بنا کر پیش کرتے قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت مبارکہ ہے پیغمبر اسلام کی سیرت و اخلاق کی عظمت کے آگے بڑے بڑے حکماء اور معلّمین سرنگوں نظر آتے ہیں اور ان کے قول وعمل کی صداقت سے سند حاصل کئے بغیر دنیا کا کوئی انسان اخلاق کے اعتبار سے بڑا نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مثالی نمونہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اور لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ، ہر دور، ہر حال میں اس نمونہ کے مطابق خود بھی بنیں اور دوسروں کو بنانے کی فکر کریں۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق وسیرت ایک حیثیت سے عملی قرآن ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دنیائے بشریت کے لئے اسوۂ حسنہ اور الٰہی فیوض و ہدایات واحکام کا ایسا مفید و گہرا چشمہ ہے جو کبھی خشک ہونے والا نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نور خداوندی کا ایسا مرکز ہے جہاں تاریکی کا گزر نہیں اور مکروفریب کی تاریکیوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں زندگی بسر کرنے والے لوگ اگر سیرت نبوی کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنالیں تو ان کی زندگی بھی غیر معمولی نور سے منور و مالا مال ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پاکیزہ زندگی کے تمام پہلوؤں کی مثالیں اور نمونے موجود ہیں امن و آشتی کی جھلکیاں ہوں تو صلح و مصالحت کی بھی، دفاعی حکمت عملی کی بھی اور معتدل حالات میں پرسکون کیفیات کی بھی، اپنوں کے واسطہ کی بھی اور بے گانوں سے تعلقات کی بھی، معاشرت و معاملات کی بھی اور ریاضت و عبادات کی بھی۔ عفو و کرم کی بھی اور جود و سخا کی بھی، تبلیغ و تقریر کی بھی اور زجر و تحدید کی بھی ان جھلکیوں میں جاں نثاروں کے حلقے بھی ہیں اور سازشوں کے نرغے بھی، امیدیں بھی ہیں اور اندیشے بھی گویا انسانی زندگی کے گوشوں پر محیط ایک ایسی کامل اور جامع حیات طیبہ ہے جو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لئے رہبر و رہنما ہے۔ اگر کوئی آپ کی مکمل زندگی کا مطالعہ کرکے عمل پیرا ہو جائے تو بلاشبہ زندگی میں چار چاند لگ سکتے ہیں اور عمل کرنے والے دنیا و آخرت میں قابل رشک بن سکتے ہیں۔

کاش ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر عمل پیرا ہو جائیں۔

□□□

اسلام اور نفسیاتی و فکری آزادی

محمد مبشر نذیر

نفسیاتی غلامی: اسلام سے پہلے

اسلام سے پہلے بھی دنیا بھر میں مذہبی طبقے کو اقتدار حاصل تھا۔ دنیا کے کم و بیش تمام ممالک ہی میں مذہبی طبقہ اس درجہ میں موجود تھے کہ وہ حکومتی اور معاشرتی معاملات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس طرز حکومت کو تھیوکریسی کہا جاتا تھا۔ اس دور میں دنیا کا غالب مذہب "شرک" تھا۔ کم و بیش دنیا بھر کے ممالک میں دیوی دیوتاؤں کی دیومالا (Mythology) تخلیق کی گئی تھی۔ ریاست کے ہر شہری کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اس دیومالا پر ایمان لائے۔ اگر کوئی شخص مخصوص مذہبی عقائد سے مختلف نظریہ رکھنا چاہتا تو اسے مذہبی جبر کا شکار ہونا پڑتا اور اسے اس کے انحراف کے مطابق کوئی بھی سزا دی جا سکتی تھی۔

دین شرک کے مقابلے میں دین توحید کے علمبردار اہل کتاب تھے جو یہودیوں اور عیسائیوں پر مشتمل تھے۔ یہ لوگ اگرچہ توحید ہی کے پیروکار تھے اور شرک کو ایک برائی ہی قرار دیا کرتے تھے لیکن غیر محسوس طریقے پر شرک ان کے اندر شخصیت پرستی کی صورت میں سرایت کر چکا تھا۔ یہودیوں نے سیدنا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا قرار دے کر شرک کو اپنے مذہبی عقائد میں جگہ دے رکھی تھی۔

اہل کتاب کے ہاں بھی ان کے مذہبی علماء اور صوفیاء کو وہی مقام حاصل ہو چکا تھا جو کہ اہل شرک کے ہاں ان کے مذہبی رہنماؤں کو حاصل تھا۔ ان کے ہاں مذہبی راہنماؤں کا یہ مقام اب بھی برقرار ہے البتہ ان کی سیاسی قوت کمزور پڑ چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس ذہنی غلامی کی کیا صورت موجود تھی، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے:

سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو میرے گلے میں سونے کی ایک صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اتار دو۔ میں نے آپ کو سورۃ توبہ کی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: "ان (اہل کتاب نے) اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور صوفیاء کو اس کا شریک بنا لیا تھا اور فرمایا: یہ لوگ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے مگر جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو اسے حلال سمجھنے لگتے اور جب حرام قرار دیتے تو اسے حرام سمجھنے لگتے۔"

(ترمذی: کتاب التفسیر: حدیث 3095)

فکری آزادی کے معاملے میں اسلام کی اصلاحات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے ذہنی آقا و غلام کے تعلق کے بجائے دوستانہ تعلق قائم فرمایا۔ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہو جایا کرتی تھی، اس میں تو صحابہ سنتے اور اطاعت کرتے لیکن جہاں معاملہ دین کے کسی حکم کا نہ ہوتا، وہاں ان کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے سے مختلف رائے پیش کرنا بھی کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔

غور و فکر کی قرآنی دعوت

اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ وحی کے معاملے میں بھی یہ معاملہ نہ تھا کہ لوگ اندھا دھند اس حکم کی پیروی میں لگ جائیں بلکہ انہیں اس پر کھلے ذہن سے غور و فکر کرنے کا حق حاصل تھا۔ قرآن مجید بار بار مسلمانوں کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور اللہ کے احکامات کی حکمتیں جاننے کی تلقین کرتا ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا۔

(الفرقان: 73)

جب انہیں اللہ کی آیات سے نصیحت دلائی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ، الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا، سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (آل عمران 190-191)

آسمان وزمین کی تخلیق اور شب وروز کے فرق میں اہل عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔ (اہل عقل وہ ہیں جو ان نشانیوں کو دیکھ کر) کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہوئے کہتے ہیں، اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے کار نہیں بنایا۔ تو پاک ہے، ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر یہ بیان ہوا ہے کہ نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو "اولوا الالباب" یعنی صاحب عقل اور سوچنے سمجھنے والے لوگ ہیں۔

آزادی اظہار سے متعلق رسول اللہ کا طرز عمل

اختلاف رائے کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ ہوا کرتا تھا کہ آپ مخلف رائے کو دبانے کے بجائے اس پر مثبت انداز میں غور وخوض فرماتے اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ اپنی رائے کے بجائے کسی صحابی کی رائے کو ترجیح دے دیا کرتے تھے۔ اگر آپ صحابہ کی رائے سے متفق نہ ہوتے تو انہیں مثبت انداز میں متفق کرنے کی کوشش فرماتے۔ اظہار رائے کی اس آزادی کی کچھ مثالیں ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو یہ واضح طور پر بتادیا کہ صرف اور صرف دینی احکام سے متعلق ان پر آپ کی پیروی کرنا لازم ہے۔ دنیاوی امور میں وہ اپنے معاملات جیسے چاہے چلا سکتے ہیں بشرطیکہ اس سے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کھجوروں کی پیوندکاری کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ یہ کیا کرتے ہو۔ وہ بولے ہم تو یہی کرتے آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہوسکتا ہے کہ اگر تم یہ نہ کرو تو بہتر ہو۔ انہوں نے پیوندکاری چھوڑ دی جس کے نتیجے میں پیداوار کم ہوگئی۔ انہوں نے جب آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا، میں تو ایک انسان ہوں (مگر اللہ کا رسول ہوں) اگر میں تمہیں دین سے متعلق کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور اگر اپنی رائے سے تمہیں کوئی بات کہوں تو میں انسان ہی ہوں۔ تم اپنے دنیاوی امور کو خود بہتر جانتے ہو۔" (مسلم، کتاب الفضائل 6127)

اس سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات محض عجز وانکساری کی وجہ سے ارشاد فرمائی۔ بہت سے دیگر واقعات سے یہ علم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ اور آپ کے صحابہ کا یہی معمول رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگی پلاننگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید میں آپ کو اسی کا حکم دیا گیا تھا۔

فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر۔ (آل عمران:3-159)

"ان سے درگزر کرتے رہئے۔ ان کی بخشش کی دعا کرتے رہئے اور معاملات میں ان سے مشورہ کرتے رہئے۔"

والذين استجابوا لربهم واقاموا الصلاة وامرهم شورى بينهم۔ (شوری:42-38)

(اہل ایمان تو وہ ہیں) جو اپنے رب کی پکار کا جواب دیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات کو مشورے سے چلاتے ہیں۔

جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر قیام کرتے ہوئے ایک جنگی حکمت عملی ترتیب دی لیکن اس کے بعد آپ نے ایک صحابی سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر اس جنگی حکمت عملی میں تبدیلی فرمائی۔

"حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "یارسول اللہ! جس مقام پر آپ ٹھہرے ہوئے ہیں، مناسب نہیں ہے۔ ہمیں نیچے پانی کی طرف چلنا چاہئے۔ میں اس جگہ سے واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ یہ میٹھا پانی ہے۔ ہم پانی کا بہاؤ تبدیل کر کے اسے ایک حوض کی شکل دے لیں گے اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ جبرئیل اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اترے اور کہنے لگے کہ حباب کی رائے درست ہے۔ آپ اٹھے اور آپ نے اسی رائے پر عمل کیا۔" (طبقات ابن سعد، غزوہ بدر)

جنگ احد کے موقع پر آپ نے اپنی رائے کے خلاف نوجوان صحابہ کی رائے کے مطابق شہر سے باہر نکل کر مقابلہ فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ نہ کیا جائے۔ آپ کے خواب کے مطابق یہی رائے پسندیدہ تھی۔ آپ نے اپنے صحابہ سے نکلنے کے بارے میں مشورہ کیا۔ عبداللہ بن ابی کا مشورہ یہ تھا کہ باہر نکل کر مقابلہ نہ کیا جائے اور مہاجرین وانصار کے بزرگوں کی رائے بھی یہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں ٹھہرے رہو اور بچوں اور خواتین کو محفوظ مقام پر چھوڑ دو۔ نئے نوجوان لڑکے جنہوں نے بدر کی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ لوگ شہادت کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ وہ بولے: ہم دشمن کی طرف نکل کر چلیں۔ باہر نکل کر مقابلہ کرنے والوں کی رائے (کثرت رائے کے باعث) غالب ہوگئی (اور باہر نکل کر ہی مقابلہ کیا گیا)۔ (طبقات ابن سعد، غزوہ احد)

جنگ خندق میں ایک سابقہ غلام، سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا۔ جنگ کا یہ طریق کار سن کر صحابہ بہت حیران ہوئے کیونکہ جنگ کرنے کا یہ طریقہ عرب میں رائج نہیں تھا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے صحابہ کا اظہار رائے کی آزادی کس حد تک حاصل تھی اور اس میں آزاد، غلام اور مولی ہر شخص کو رائے دینے کا برابر حق حاصل تھا۔

آپ نے جب سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک فوجی مہم کا امیر بنا کر بھیجا تو اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا۔ آپ نے انہیں کافر، مشرک یا گستاخ رسول قرار دینے کے بجائے انہیں مثبت انداز میں قائل فرمایا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بنا کر بھیجا۔ لوگوں نے ان کے امیر ہونے پر اعتراض کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا، تم لوگ ان کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو جب کہ تم نے اس سے پہلے ان کے والد کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم وہ امارت کے سب سے زیادہ اہل تھے۔ وہ مجھے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ پسند تھے اور ان کے بعد اسامہ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔" (بخاری، کتاب الفضائل 3730)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد کیا تو اس موقع پر انہیں اسلامی قانون کی حیثیت سے یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے خاوند سے علاحدگی حاصل کر لیں۔ وہ اپنے خاوند کو سخت ناپسند کرتی تھیں جب کہ ان کے خاوند ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کو باقی رکھنے کی سفارش کی جسے انہوں نے قبول نہیں کیا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بریرہؓ کے خاوند ایک سیاہ فام غلام تھے جن کا نام مغیث تھا۔ میں گویا اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ وہ بریرہؓ کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے پھر رہے ہیں اور ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو رہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، عباس! کیا آپ کو حیرت نہیں ہوتی کہ مغیث بریرہ سے کس قدر محبت کرتا ہے اور وہ اس سے کتنی نفرت کرتی ہے۔ آپ نے بریرہ سے فرمایا، کاش تم علاحدگی کا یہ فیصلہ بدل دو۔ وہ پوچھنے لگیں، یارسول اللہ! کیا یہ آپ کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں میں تو سفارش کر رہا ہوں۔ وہ بولیں، پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" (بخاری، کتاب الطلاق 5283) ●

قناعت کے راہنما اصول

مفتی ثناء اللہ ڈیروی
استاد و رفیق شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ فاروقیہ کراچی

ایک باپ نے تنگی معاش کی وجہ سے خودکشی کرلی۔ تعلیم یافتہ شخص نے بیروزگاری سے تنگ آکر خودسوزی کرلی۔ یہ ہمارے معاشرہ کا وہ چہرہ ہے جسے آئے دن الفاظ کے لبادے میں اخبارات کی زینت بنے شہ سرخیوں کی صورت میں پڑھتے ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے، کہ انسان اتنا انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہوجاتا ہے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ انسان آج اتنی بے چینی و پریشانی میں ہے؟ اس کی اگر ہم وجہ جاننے کی کوشش کریں تو ایک بڑی وجہ عدم قناعت ہے۔

قناعت کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ جائے، بلکہ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی کوشش اور دنیاوی حلال اسباب اختیار کرنے کے بعد جو کچھ دے، اس پر راضی رہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کسی کو مالدار بنایا ہے اور کسی کو غریب چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے: (ان ربك يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر) (سورہ بنی اسرائیل:30)

تیرا رب کھول دیتا ہے روزی، جس کے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے۔

دوسری آیت ہے: (نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا) (سورہ زخرف:32)

ہم نے بانٹ دی ہے اس میں ان کی روزی، ان کی دنیا کی زندگی میں۔

لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہنا چاہئے اور ہم جس حالت میں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان الله تبارك و تعالیٰ يبتلي عبده بما اعطاه، فمن رضي بما قسم الله عزوجل له بارك الله له فيه، ووسعه، و من لم يرض لم يبارك له (الفتح الرباني لترتيب منسد الامام احمد بن حنبل، كتاب الفقر والغنى، باب الترغيب في الفقر مع الصلاح، 116/19، دار الحديث)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مال دے کر آزماتے ہیں، پس جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس مال میں برکت اور کشادگی عطا فرماتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت نہیں دیتے۔

اپنے اندر قناعت کی صفت کیسے پیدا کی جائے؟

قناعت کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے اگر ہماری نظر چند باتوں کی طرف ہو، تو ان شاء اللہ یہ باتیں ہمارے دلوں میں قناعت کی صفت پیدا کرنے میں بہت معین ومددگار ہوں گی۔

پہلی بات

سب سے پہلی بات یہ ملحوظ رہے، کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہے کہ میرے پاس مال کی فراوانی نہیں، ہوسکتا ہے زیادہ مال میرے لئے آخرت میں تنزل کا سبب بن جائے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ما الفقر اخشى عليكم، ولكن اخشى عليكم ان تبسط عليكم الدنيا كما بسطت على من كان قبلكم، فتنافسوها كما تنافسوها، فتهلككم كما اهلكتهم." (الجامع الصحيح للبخاري، كتاب الرقاق،

باب ما يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، رقم الحديث:6425)

اللہ کی قسم! میں تمہارے فقر سے نہیں ڈرتا ہوں، لیکن میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ دنیا تم پر کشادہ کردی جائے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر دنیا کشادہ کردی گئی تھی، تو تم بھی رغبت کرنے لگو، جیسے وہ رغبت کرنے لگے اور تمہیں اسی طرح ہلاک نہ کردے، جس طرح انہیں ہلاک کیا۔

بڑے مالدار اللہ کے راستے میں نہ خرچ کرنے والے آخرت میں نادار ہوں گے۔

اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان المكثرين هم المقلون يوم القيامة، الا من اعطاه الله خيرا، فنفق فيه يمينه و شماله و بين يديه وورائه، و عمل فيه خيرا۔" (الجامع الصحيح للبخاري، كتاب الرقاق، باب المكثرون هم المقلون، رقم الحديث:6443)

جو لوگ دنیا میں بہت مال و دولت رکھتے ہیں، آخرت میں وہی نادار ہوں گے، البتہ وہ شخص جس کو اللہ نے دولت دی ہو، پھر وہ داہنے اور بائیں اور سامنے اور پیچھے اس کو لٹائے (محتاجوں کو دے) اور دولت نیک کام میں خرچ کرے (وہ آخرت میں نادار نہ ہوگا)۔

دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں

دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ ورسول کے نہ ماننے والوں کو اس دنیا میں جو کچھ مل رہا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ دنیا حقیر اور بے قیمت ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی، تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ نہ پلاتے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لو كانت الدنيا تعدل عنه الله جناح بعوضة ما سقى كافرا منها شربة ماء۔" (سن الترمضى، كتاب الزهد، باب ماجاء فى هوان الدنيا على الله عزوجل، رقم الحديث :2320)

دنیادار کی حاجتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من اصبح والدنيا اكبرهمه الزم الله عزوجل قلبه أربع خصال لا ينفك من احد حتى ياتيه الموت، هم لا ينقطع ابدا و شغل لا يتفرغ ابدا، و فقر لا يبلغ غنى ابدا، و أمل لا يبلغ منتهاه ابدا۔" (كنزالعمال، كتاب الأخلاق، رقم الحديث92/3,6269، دار الكتب)

جس شخص کا حال یہ ہو کہ دنیا ہی اس کا بڑا مقصد بن جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو چار عادتیں لازم کردیتا ہے کہ موت تک ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتا۔

1-رنج کہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔
2-شغل کہ اس سے کبھی فراغت نہیں ہوتی یعنی ہر وقت مصروف رہتا ہے۔
3-فقر کہ کبھی مال داری کو نہیں پہنچتا۔ یعنی دنیادار کی حاجتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔
4-اور امید کہ کبھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچتا۔

حبّ دنیا آخرت کے نقصان کا باعث ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: "من أحب دنياه أضر بآخرته، و من أحب آخرته اضر بدنياه۔" (مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحديث 638/619934، عالم الكتب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنی دنیا سے محبت رکھتا ہے، وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے، وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔

حبِّ دنیا کب نقصان دہ نہیں؟

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر کسی کے پاس مال ہے اور اس نے وہ مال شرعی حدود کی پاس داری کرتے ہوئے جمع کیا ہے اور اس کے حقوق اچھی طرح سے ادا کررہا ہے، تو یہ مال مضر نہیں، آگے چل کر اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

ایک شخص نے ابو حازم سے کہا کہ مجھے دنیا سے محبت ہے، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ مجھے اس میں رہنا نہیں ہے، آپؒ نے فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے، اس میں یہ دیکھ لیا کرو کہ حلال ذرائع سے حاصل ہوا ہے یا نہیں؟ پھر اس حلال مال کو جائز مواقع پر خرچ کیا کرو، تمہیں دنیا کی محبت نقصان نہیں پہنچائے گی۔(اتحاف السادۃ المتقین، کتاب ذم الدنیا 561/9 دارالکتب)

کاش! دنیا میں گزارے کی روزی ملتی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"ما من غنی ولا فقیر الا ود یوم القیامۃ انہ اتی من الدنیا قوتا." (سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب القناعۃ، رقم الحدیث:414)

یعنی قیامت کے دن کوئی مالدار اور فقیر ایسا نہ ہوگا، جس کو یہ تمنا نہ ہو کہ اسے دنیا میں گزر بسر کے بقدر دیا جاتا۔

دوسری بات

دوسری بات یہ ہے کہ اگر تنگی کی زندگی ہے اور مصائب اور پریشانیوں نے ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے تو تب بھی زندگی سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

شریعت نے تکالیف سے گھبرا کر موت کی دعا سے بھی منع فرمایا ہے۔حضرت قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے سنا اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیماری کی وجہ سے اسی دن اپنے پیٹ پر سات داغ لگوائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ کیا ہوتا، تو میں موت کی دعا کرتا، (تاکہ اس تکلیف سے چھوٹ جاؤں)۔(الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الرقاق، باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا، رقم الحدیث:6430)

بلکہ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ایسی حالت کے بارے میں جو احادیث کے اندر فضائل آئے ہیں، ان کا استحضار اور یقین ہونا چاہئے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"طوبی لمن ھدی للاسلام، وکان عیشہ کفافا، وقنع بہ." (سنن الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی الکفاف و الصبر علیہ، رقم الحدیث :22342)

اس کے لئے خوشخبری ہے، جو اسلام کی ہدایت پائے اور اس کی معیشت اور روزی بقدر ضرورت ہو اور وہ اس پر قانع ہو۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے: "لیس لابن آدم حق فی سوی ھذہ الخصال: بیت یسکنہ، و ثوب یواری عورتہ، و جلف الخبز والماء" (سنن الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی الزھادۃ فی الدنیا، رقم الحدیث :2334)

یعنی انسان کے لئے ان تین باتوں کے علاوہ میں کوئی حق نہیں۔ 1-ایسا گھر جس میں سکونت پذیر ہو۔ 2-ایسا کپڑا جس سے ستر پوشی کرے۔ 3- اور روکھی روٹی اور پانی۔

یعنی یہ تین چیزیں انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں، ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا، پس اگر کسی کو یہ چیزیں میسر ہیں، تو اسے دوسری چیزوں کی حرص نہیں کرنی چاہئے، ان پر قناعت کرنی چاہئے۔

قابل رشک مومن

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ان أغبط أوليائي عندي: لمومن خفيف الحاذ، ذو حظ من الصلوٰة، أحسن عبادة ربه، و أطاعه في السر و كان غامضا في الناس، لا يشار اليه بالاصابع و كا رزقه كفافا، فصبر على ذلك، ثم نقر بيديه، فقال: عجلب منيته، قلت بواكيه، قل تراثه." (سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیه، رقم الحدیث:2340)

یعنی میرے دوستوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل رشک وہ مومن ہے، جو چھوٹا کنبہ رکھتا ہو، نماز میں اس کا بڑا حصہ ہو، وہ اپنے رب کی بہترین عبادت کرتا ہو اور خلوت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور وہ لوگوں مین گم نام ہو، اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جاتا ہو اور اس کی روزی بقدر ضرورت، ہو اور وہ اس پر صابر ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا (جیسے ہاتھ جھاڑتے ہیں) پھر فرمایا: اس کی موت جلدی آ گئی، اس پر رونے والیاں کم ہیں، اس کا ترکہ بہت تھوڑا ہے۔

غریب نیک آدمی کا مقام

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ شریف مالدار لوگوں میں سے ہے، خدا کی قسم! یہ ایسا شخص ہے کہ اگر کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کا پیغام منظور ہوگا، اگر کسی کی سفارش کرے تو لوگ اس کی سفارش سنیں گے، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک اور شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرا، آپ نے اسی شخص (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ) سے پوچھا، اس شخص کو تم کیا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو ایک مسلمان غریب آدمی ہے، یہ بے چارہ اگر کہیں نکاح کا پیغام بھیجے تو کوئی منظور نہ کرے، اگر کسی کی سفارش کرے تو کوئی سفارش قبول نہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ غریب آدمی اس مالدار آدمی جیسوں سے زمین بھر جائے تو یہ ان سے بہتر ہے۔ (الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، رقم الحدیث:6447)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اطلعت فی الجنة، فرأيت أكثر اهلها الفقراء، واطلعت فی النار، فرأيت اكثر اهلها النساء" (الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، رقم الحدیث:6449)

یعنی میں نے جنت میں جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں وہ لوگ زیادہ ہیں جو دنیا میں فقیر اور محتاج تھے اور دوزخ میں بھی جھانکا، وہاں عورتیں بہت تھیں۔

اور "مسند احمد" کی روایت میں "نساء" کے ساتھ "اغنیاء" کا بھی ذکر ہے یعنی جہنم میں عورتیں اور مالدار لوگ بہت تھے۔ (الفتح الربانی الترتیب مسند الامام احمد، باب فی فضل الفقراء، 121/19، دار الحدیث)

فقراء اغنیاء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "یدخل الفقراء الجنة قبل الأغنیاء بخمسمائة عام نصف یوم" (سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء ان فقراء المهاجرين ... رقم الحدیث:2353)

یعنی غریب مسلمان مالداروں ... آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے اور آدھا دن پانچ سو سال ہیں۔

تنگ دستی کی زندگی گزارنے کا ثواب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ

پڑھا رہے تھے کہ کچھ لوگ بھوک اور کمزوری کی وجہ سے گر گئے، یہاں تک کہ بعض اعرابی کہنے لگے کہ یہ لوگ مجنون ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی تو ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کو وہ اجر معلوم ہو جائے، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تم لوگوں کا ہے، تو تم اس سے زیادہ حاجت اور بھوک کو پسند کرو گے۔ **(الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد، کتاب الفقر والغنی، باب الترغیب فی الفقر مع الصلاح 155/19، دار الحدیث)**

ایمان کی دولت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں

ایک بزرگ جا رہے تھے، بزرگوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ لباس کی کچھ زیادہ خبر نہیں ہوتی، بس جیسا مل گیا، پہن لیا، کبھی شاہانہ لباس، کبھی پھٹے پرانے کپڑے، وہ بزرگ پھٹے پرانے کپڑوں میں چلے جا رہے تھے، ایک شہر سامنے آیا تو سارے شہر کے دروازے بند، اب ہزاروں گاڑیاں اندر جانے والی وہ باہر رکی ہوئی ہیں اور اندر کے اندر، تجارت اور کاروبار بھی سب بند، انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ بھئی! یہ دروازے کیوں بند ہو گئے؟ لوگوں نے کہا، کہ اس شہر کا بادشاہ ہے، اس کا باز کھو گیا ہے، باز ایک پرندہ ہوتا ہے، جس سے چڑیوں کا شکار کرتے ہیں، تو بادشاہ نے کہا کہ چونکہ باز کھو گیا، شہر کے دروازے بند کر دو اور اسے کہیں سے پکڑ لاؤ۔

اس بزرگ نے یہ سن کر کہا کہ کیسا احمق بادشاہ ہے؟ بھئی! پرندے کو اس سے کیا مطلب کہ دروازہ بند کئے ہیں، وہ اُڑ کر باہر نہیں چلا جائے گا؟

اسے دروازے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسا احمق آدمی ہے! پرندے کو اگر پکڑنا تھا تو شہر پہ جال لگا دیتا کہ اوپر سے اڑ کے نہ نکلے، دروازے بند کرنے کی کون سی تک ہے؟ اور اس بزرگ نے کہا، یا اللہ تیری عجیب قدرت ہے کہ اس کندۂ ناتراش کو تو نے بادشاہ بنا دیا، جس کو یہ بھی تمیز نہیں! کہ باز کو روکنے کے لئے جال ڈالنا چاہئے، یا شہر کے دروازے بند کرانے چاہئیں اور مجھ جیسے عالم فاضل کو بھیک منگا بنا رکھا ہے کہ جوتیاں چٹخاتے پھر رہا ہوں، کوئی پوچھتا نہیں، عجیب تیری قدرت ہے اور تیرا انظام کہ اس احمق کو سلطنت دے دی اور مجھے جوتیاں چٹخانے کے لئے چھوڑ دیا۔

اس بزرگ کے دل میں یہ وسوسہ گزرا، حق تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ کیا تم اس کے لئے تیار ہو کہ تمہارے دل کی، ایمان کی دولت اس بادشاہ کو دے دیں اور اس کی سلطنت تمہیں دے دیں۔

تھرا گئے، عرض کیا نہیں یا اللہ! میں ایمان نہیں دینا چاہتا۔ فرمایا: اتنی بڑی دولت دے دی پھر بھی بے وقوف اپنے کو بھیک منگا سمجھ رہا ہے، یہ دولت ظاہری جس کے پاس ہے وہ کل کو ختم ہوگی، جس کے پاس ایمان ہے، یہ وہ دولت ہے جو ابدالآباد تک چلنے والی ہے، تو تجھے ابدی دولت دے دی اور اسے عارضی دولت دے دی، تو نے اس کی قدر نہ کی۔

پھر توبہ کی اور کہا کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی، مجھے معاف فرما، واقعی تو نے مجھے دولت مند بنایا، جس کے پاس ایمان کی دولت ہے، اس سے بڑھ کر کون دولت مند ہے، یہ دولت آگے تک جانے والی ہے۔

مسلمانوں کو اگر مادی دولت ملے! تو شکر ادا کرنا چاہئے، کہ ایمان کی دولت الگ دی اور دنیا کی دولت بھی۔ (خطبات حکیم الاسلام 327,326/3)

تیسری بات

تیسری بات یہ کہ ہماری اس بات پر نظر ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیسے زندگی گزاری۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود قدرت کے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی پیشکش کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے بجائے فقر کو ترجیح دی۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**عرض علی ربی لیجعل لی**

بطحاء مكة ذهبا، فقلت: لا، يا رب! ولكن اشبع يوما، واجوع يوما، فاذا جعت تضرعت اليك، وذكرتك، واذا شبعت، حمدتك وشكرتك۔" (جامع الأصول، الكتاب الثاني في القناعة والعفة، رقم الحديث: 137/10،7614، دارالفكر)

اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ میرے لئے مکہ کی وادی کے سنگریزوں کو سونے کا بنادیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا، کہ اگر آپ دولت مند بننا چاہیں تو مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا، میرے پروردگارا! میں اپنے لئے یہ نہیں چاہتا، بلکہ میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، جب مجھے بھوک لگے تو میں آپ کے سامنے گڑگڑاؤں اور آپ کو یاد کروں اور جب شکم سیر ہوؤں تو آپ کا شکر بجالاؤں اور آپ کی تعریف کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے: "اللهم احيني مسكينا، و امتني مسكينا، واحشرني في زمرة المساكين يوم القيامة۔" (سنن الترمذي كتاب الزهد، باب ماجاء ان فقراء المهاجرين يدخلون الجنة......، رقم الحديث 2352)

اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں موت دے اور مساکین کے زمرے میں اٹھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی زندگی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم من الدنيا ولم يشبع من خبز الشعير۔" (الجامع الصحيح للبخاري، كتاب الأطعمة، باب ما كان النبي واصحابه ياكلون، رقم الحديث: 5414)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی بھی یہی حالت تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ما شبع آل محمد صلى الله عليه وسلم منذ قدم المدينة من طعام البر ثلاث ليال تباعا حتى قبض۔" (الجامع الصحيح للبخاري، كتاب الأطعمة، رقم الحديث: 5416)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تین دن تک برابر گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کا فقر اختیاری تھا

یہ بات یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناداری تو اختیاری تھی ہی، جیسے ماقبل حدیث سے معلوم ہوا، اسی طرح ازواج مطہرات کی ناداری بھی اختیاری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب باغوں اور کھیتوں کی آمدنی ہوتی تھی، تو ہر زوجہ کو ان کا پورے سال کا نفقہ دے دیا کرتے تھے، مگر ازواج مطہرات اس کو مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیا کرتی تھیں اور نادار ہوجاتی تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رايتني سابع سبعة مع النبي صلى الله عليه وسلم، ما لنا طعام الا ورق الحبلة او الحبلة، حتى يضع احدنا ما تضع الشلة۔" (الجامع الصحيح للبخاري، كتاب الاطعمة، رقم الحديث: 5412)

یعنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں ساتواں آدمی تھا، ہمارا کھانا درخت کے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا، یہاں تک کہ بکریوں کی طرح مینگنیاں کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ

مسلمہ بن عبدالملک کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب وہ موت کی کشمکش میں گرفتار تھے، انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا، آپ نے اپنی اولاد چھوڑی ہے، نہ ان کے پاس درہم ہیں نہ دنانیر۔ حضرت عمر بن العزیزؒ کے تیرہ بچے تھے، انہوں نے فرمایا: مجھے اٹھا کر بٹھادو۔ لوگوں نے انہیں اٹھا کر بٹھادیا، تو فرمایا: میں نے اولاد کے لئے کچھ نہیں چھوڑا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے ان کا حق دبا رکھا ہے۔ البتہ میں نے دوسروں کا حق انہیں نہیں دیا، میری اولاد میں دو ہی طرح کے بیٹے ہوسکتے ہیں، اللہ کا مطیع و برمانبردار، اگر ایسا ہے تو اللہ کے لئے کافی ہے۔ (وھو یتولی الصالحین) اور وہ والی ہے نیکوکاروں کا۔ دوسرا اللہ کا نافرمان، گنہگار، اگر ایسا ہے، تو مجھے اس کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے؟

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۴ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری-/200 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔

آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کارِ خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی
ترجمہ: حافظ قمر حسن

زندگی سے لطف اٹھایئے!

اسوۂ حسنہ کی روشنی میں زندگی گزارنے کے سنہرے اصول

جو آپ نے چاہا وہ نہیں ہوا تو وہ چاہیے جو ہو رہا ہے

"جب کوئی چارۂ کار نہیں تو گزارہ کرو۔"

یہ بات میں نے ایک نوجوان سے کہی جو ذیابیطس کا مریض تھا۔ وہ پھیکی چائے پی رہا تھا اور اپنے حال پر افسوس کر رہا تھا۔ میں نے کہا: ''چائے نوشی کے دوران تمہارے افسوس کرنے یا غمزدہ ہونے سے اس بیماری کو کوئی فائدہ ہوگا؟

وہ بولا: ''نہیں'' اس پر میں نے کہا: ''جب کوئی چارہ کار نہیں تو گزارہ کرو۔''

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ دنیا کے سارے معاملات ہماری مرضی کے مطابق ہوں۔ ایسی صورت حال کا سامنا ہمیں اکثر کرنا پڑتا ہے۔

آپ اپنی من پسند ملازمت کے لئے انٹرویو دینے گئے۔ وہاں آپ کو قبول نہیں کیا گیا۔ آپ نے دوسری جگہ رجوع کیا، وہاں آپ کو رکھ لیا گیا، اس پرابلم کا حل کیا ہے؟ یہی کہ ''جب کوئی چارۂ کار نہیں تو گزارہ کرو۔'' آپ نے کسی لڑکی کو شادی کا پیغام بھیجا۔ لڑکی نے انکار کر دیا اور کسی اور کا پیغام قبول کر لیا۔

اب کیا ہو سکتا ہے؟ یہی نا کہ ''جب کوئی چارۂ کار نہیں تو گزارہ کرو۔ بہتر ہے کہ اس کا خیال دل سے نکال کر کسی اور لڑکی سے شادی کر لیں۔ دنیا میں لڑکیوں کی کمی ہے کیا؟

بہت سے لوگوں کو ان مسائل کا یہ دوٹوک حل پسند نہیں آتا۔ وہ ان مسائل کا حل دائمی افسردگی، ہمیشہ کے افسوس اور ہر ایرے غیرے سے شکوہ شکایت کی صورت میں نکالتے ہیں۔ لیکن یہ اندازہ تو انہیں کھوئی ہوئی اشیاء دلاتا ہے اور نہ قسمت کے لکھے کو تبدیل کرتا ہے۔

میرے نزدیک زندگی کے ان مسائل کا سوائے ان کے اور کوئی حل نہیں کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا تو وہ چاہنے لگ جائیں جو ہو سکتا ہے۔ عقل مند انسان وہی ہے جو اپنا مزاج حالات کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے، یہاں تک کہ وہ صورتِ حال کی تبدیلی پر قادر ہو جائے۔

میرا دوست جو ایک مسجد کی تعمیراتی سرگرمیوں کا نگران تھا، اُس نے مجھے بتایا کہ دورانِ تعمیر رقم کی کمی کے باعث انہوں نے شہر کے ایک نامی گرامی تاجر سے مدد طلب کی۔ وہ اُس کے ہاں گئے۔ تاجر نے انہیں بٹھایا۔ خاطر تواضع کی۔ انہوں نے مدعا کہا تو تاجر نے حسب توفیق مدد کی، پھر وہ جیب سے ایک دوا نکال کر لینے لگا۔ ہم نے کہا: ''خیریت گزری؟ کیا بات ہے؟

تاجر کہنے لگا: ''کچھ نہیں۔ یہ نیند کی گولیاں ہیں۔ دس سال ہو گئے، ان کے بغیر مجھے نیند نہیں آتی۔

ہم نے اس کے لئے دعا کی اور سلام کر کے نکل آئے۔ راستے میں سڑک کی تعمیر کا کام جاری تھا۔ وہاں انہوں نے بڑے بڑے جنریٹروں کے ذریعے سرچ لائٹیں جلا رکھی تھیں۔ جنریٹروں کا شور دور دور تک سنائی دیتا تھا۔ یہ سب معمول کی بات تھی۔ عجیب بات تھی کہ جنریٹروں کا غریب چوکیدار اخبار کے چند کاغذ زمین پر بچھائے مزے سے سو رہا تھا۔

جی ہاں! زندگی گزاریے۔ پریشان ہونے کا وقت نہیں۔ ضروریات زندگی میں سے جو کچھ مل گیا ہے، اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُسے استعمال میں لایئے اور جو نہیں ملا، اُس پر کڑھنا چھوڑیے۔

ایک نظر ادھر بھی!

ما کل ما یتمنی المرء یدرکه
تجری الریاح بما لا تشتهی السفن

''ہر وہ چیز جس کی انسان تمنا کرے، ضروری نہیں کہ اُسے مل جائے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوائیں کشتیوں کی مخالف سمت چلتی ہیں۔ (متنبی)

ہم اختلاف کرتے ہیں اس کے باوجود دوست ہیں

روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کسی پیچیدہ فقہی مسئلے کے متعلق ایک عالم سے مناظرہ ہوا۔ طویل گفتگو ہوئی۔ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی مدمقابل کی بات کا قائل نہ ہوا۔ ان عالم کا مارے غصے کے رنگ بدل گیا۔ مجلس تمام ہوئی اور دونوں حضرات جانے کے لئے اٹھنے لگے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن عالم کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ''کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اختلاف رائے کے باوجود دوست رہیں؟

حدیث کے ایک عالم خلیفہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی نے حدیث بیان کی۔ وہ عالم حیرت سے بولے: ''یہ کون سی حدیث ہے؟ یہ آپ کہاں سے لائے ہیں؟ آپ اللہ کے رسول پر جھوٹ باندھتے ہیں؟

وہ آدمی بولا: ''جناب! یہ حدیث پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے۔

عالم نے اُسی انداز میں جواب دیا: ''نہیں ہم نے آج تک یہ حدیث نہیں سنی۔

مجلس میں ایک دانا وزیر بھی موجود تھا۔ اُس نے عالم کی طرف دیکھا اور اطمینان سے پوچھا: ''یا شیخ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث آپ کی نظر میں ہیں؟

عالم نے جواب دیا نہیں۔

وزیر نے پوچھا: ''پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کا نصف حصہ تو آپ کے حافظے میں محفوظ ہوگا؟

عالم نے کہا: ''غالباً''۔

اس پر وزیر نے کہا: ''تو سمجھ لیجئے کہ یہ حدیث اُس نصف میں سے ہے جو آپ کو یاد نہیں۔ یوں یہ بحث اختتام کو پہنچی۔

امام فضیل بن عیاضؒ اور امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ گہرے دوست تھے۔ دونوں پائیکے عالم اور نیک دل انسان تھے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جہاد کے لئے سرحدوں کی طرف نکل گئے۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بیت اللہ ہی میں عبادت کرتے رہے۔ عبادت کے دوران ایک دن فضیل کو ابن مبارک بہت یاد آئے۔ اُن کی یاد کے ساتھ ہی بیتے دنوں کی یادیں بھی آموجود ہوئیں، جب وہ دونوں بیت اللہ میں اکٹھے عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے۔ فضیل نے ابن مبارک کو خط لکھا کہ واپس آجاؤ اور بیت اللہ میں عبادت اور درسِ قرآن و حدیث کی رونقیں دوبالا کرو۔

عبداللہ بن مبارکؒ نے فضیل بن عیاض کا مکتوب پڑھا تو جواب لکھنے بیٹھ گئے:

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا
لعلمت انك فی العبادة تلعب

''اے حرمین کے عابد! ہمیں دیکھو تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ تمہاری عبادت جہاد کے مقابلے میں کھیل ہے۔

من کان یخضب خده بدموعه
فنحورنا بدمائنا تتخضب

''وہ آدمی جو چہرہ آنسوؤں سے آراستہ کرتا ہے۔ ہمارے سینے بھی خون سے مزین ہیں۔''

او کان یتعب خیله فی باطل
فخیولنا یوم البیحة تتعب

''یا وہ شخص جو فضول کام میں اپنا گھوڑا کھپاتا ہے۔ ہمارے گھوڑے حملے کی صبح تھکاوٹ سے چور ہوتے ہیں۔''

ریح العبیر لکم و نحن عبیرنا
رهج السنابك والغبار الاطیب

''عبیر (ایک خوشبو) کی مہک تمہیں مبارک ہو۔ ہماری عبیر گھوڑوں کے سموں کی اڑائی دھول اور پاکیزہ غبار ہے۔

ولقد أتانا من مقال نبینا
قول صحیح صادق لا یکذب

''ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح اور سچی بات معلوم ہوئی ہے

لایستوی و غبار خیل الله فی
أنف امرئ و دخان نار تلهب

"کہ مجاہد کی ناک میں جہاد فی سبیل اللہ کا غبار اور دہکتی آگ کا دھواں برابر نہیں۔

ھذا کتاب اللہ ینطق بیننا لیس الشھید بمیت لا یکذب

"یہ دیکھو، اللہ کی کتاب ہمارے درمیان کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں ہوتا۔ اللہ کی کتاب جھوٹ نہیں بولتی۔"

پھر انہوں نے لکھا: "اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے لئے اُس نے صیام کا دروازہ کھول دیا ہے۔ وہ جتنے روزے رکھتے ہیں اُتنے کوئی نہیں رکھ سکتا۔

"بعض بندوں کو اللہ نے تلاوت قرآن کی توفیق دی ہے۔ چند ایک کے دلوں میں اللہ نے تحصیل علم کا شوق ڈال دیا ہے۔ کئی بندے جہاد کے میدان میں اترے ہیں۔" کچھ بندوں کو اللہ نے قیام اللیل (نماز تہجد) کی طرف راغب کر رکھا ہے۔

"تم جو کام کر رہے ہو وہ اس سے بہتر نہیں جو میں کر رہا ہوں اور میں جو کر رہا ہوں وہ اس سے افضل نہیں جو تم کر رہے ہو۔" ہم دونوں بھلائی کا کام کر رہے ہیں"۔ یوں ان دونوں دوستوں کا اختلاف آسانی سے اختتام پذیر ہو گیا۔ صحابہ کرام کا طریق کار بھی یہی تھا۔

مشرکین مکہ نے مدینہ میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر مہیا کرنا شروع کیا۔ وہ اتنا بڑا لشکر لے کر آئے کہ آج تک عرب نے کثرت تعداد و اسلحہ کے لحاظ سے ایسا لشکر نہیں دیکھا تھا۔ مسلمانوں نے خندق کھودی جسے پار کر کے مشرکین مدینہ میں داخل نہ ہو سکے، چنانچہ وہ خندق کی پرلی طرف خیمہ زن ہو گئے۔ مدینہ میں یہودی کا قبیلہ قریظہ تھا جو مسلمانوں پر حملے کے منتظر رہا کرتے تھے۔ یہ اُن کے لئے سنہری موقع تھا۔ وہ مشرکین کی مدد کو آئے اور مدینہ میں لوٹ مار مچائی۔ مسلمان خندق پر پہرا دے رہے تھے۔ مدینہ میں آ کر قریظہ سے نمٹنا اُن کے لئے ممکن نہ تھا۔ مسلمانوں کے لئے یہ دن بڑی کٹھن تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تیز ہوا بھیجی جس نے دشمن کی صفیں الٹ دیں۔ وہ رات کے اندھیرے میں شکست خوردہ ہو کر بھاگے۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق چھوڑ کر مدینہ واپس آئے۔ مسلمان بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اسلحہ اتار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر گئے، اسلحہ اتارا اور غسل کیا۔ ظہر کے وقت جبرئیل آئے اور گھر سے باہر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی۔ آپ گھبرائے ہوئے اٹھے اور جلدی سے باہر آئے۔ جبرئیلؑ نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اسلحہ اتار دیا؟" فرمایا: "جی ہاں۔"

جبرئیلؑ نے کہا: "فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں رکھے۔ میں بھی اُن لوگوں کے تعاقب سے لوٹا ہوں۔ ہم اُن کے تعاقب میں "حمراء الاسد" تک گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بنو قریظہ کی طرف چلنے کا حکم دے رہا ہے۔ میں بھی اُنہی کی طرف جا رہا ہوں اور اُنہیں ہلا کر رکھ دوں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا، اُس نے لوگوں میں اعلان کیا: "جو سن رہا ہے وہ مطیع ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھے۔"

یہ سن کر لوگ اسلحہ کی طرف لپکے اور دیار بنو قریظہ کی جانب چل پڑے۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا: "ہم عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھیں گے۔ بعض نے کہا: "ہم ابھی نماز پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں چاہا تھا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ ہم فوراً چل پڑیں اور جلدی کریں) چنانچہ کچھ لوگوں نے وہیں راستے میں نماز پڑھی اور بعض نے مؤخر کر کے بنو قریظہ میں عصر کی نماز ادا کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ نے کسی سے کوئی تعرض نہ کیا، پھر آپ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطا فرمائی۔

اس واقعے کا غور طلب پہلو یہ ہے کہ صحابہ کرام اختلاف کے باوجود دوست رہتے تھے۔ اختلاف کے نتیجے میں وہ باہمی رنجش اور تلخی کا شکار نہیں ہوتے تھے۔

آپ لوگوں سے وسیع الظرفی کا یہی معاملہ کر کے دیکھیں، وہ آپ سے محبت کریں گے بلکہ اُن سے پہلے اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرے گا۔

نقطہ نظر: "یہ ضروری نہیں کہ ہم متفق ہو جائیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ ہم اختلاف نہ کریں۔

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: ہمارے قصبہ کی مسجد کی کوئی آمدنی نہیں ہے، ایک غیر مسلم مسجد کی آمدنی کے لئے دوکان بنا کر دینا چاہتا ہے تو کیا غیر مسلم کی رقم سے مسجد کی دوکان بنا سکتے ہیں؟

ج: مساجد میں غیر مسلموں کا تعاون تین شرطوں کے ساتھ لیا جاسکتا ہے:

(1) وہ خود اپنی رضامندی سے دیں، اس میں کسی قسم کا جبر اور دباؤ نہ ہو۔

(2) وہ اپنے عقیدہ کے مطابق اسے نیکی کا کام خیال کرتے ہوں۔

(3) اس بات کا امکان نہ ہو کہ آئندہ وہ اپنی عبادت گاہوں کے لئے مسلمانوں سے تعاون طلب کریں گے، تو یہ تینوں شرطیں پائی جارہی ہوں تو غیر مسلم کے تعاون سے دوکان بنوائی جاسکتی ہے۔

(شامی-3/394، رحیمیہ-9/198)

س: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ بے نمازیوں کے ہاتھ کا پیسہ مسجد کی تعمیر میں لگانا حرام ہے، اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

ج: اگر کسی شخص کی آمدنی جائز ہے تو اس کو مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے، نماز نہ پڑھنے سے بہت گناہ ہوتا ہے، لیکن بے نمازی کی آمدنی صرف بے نمازی ہونے سے حرام نہیں ہوتی، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ (رحیمیہ: 9/242)

س: زید نے اپنی زندگی میں ایک مکان کے بارے میں کہا کہ یہ مکان میری دونوں بیٹیوں کا ہے یعنی ہندہ و زبیدہ کا، اس کے کہنے سے وہ مکان ہندہ و زبیدہ کی ملک سمجھا جائے گا یا اس کا شمار زید کے ترکہ میں ہوگا؟

ج: اگر زید نے اس مکان پر اپنی بیٹیوں کو قبضہ بھی دلا دیا تھا تو یہ مکان دونوں بیٹیوں کا ہے، اس کا شمار ترکہ میں نہیں ہوگا، اور اگر قبضہ نہیں دلایا تھا تو یہ مکان ترکہ میں شامل ہوگا۔ (شامی-4/569)

س: ایک مسلمان مقروض ہے اور قرض ادا نہیں کر پارہا ہے، یا اس نے زیور گروی رکھا ہوا ہے اور اس کو نہیں چھڑا پارہا ہے تو کیا قرض ادا کرنے یا زیور چھڑانے کے لئے اس کی مدد سود کی رقم سے کی جاسکتی ہے؟

ج: سود کا مصرف محتاج شخص ہوتا ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، لہٰذا اگر مذکورہ شخص محتاج ہے یعنی اس کے پاس اتنی رقم یا اتنے زیورات نہیں ہیں جس کی وجہ سے اس پر قربانی اور صدقہ فطر لازم ہوجائے تو اس کو سود کی رقم دی جاسکتی ہے، اگر اس کے پاس موجودہ زیورات نصاب تک پہنچ رہے ہیں یعنی سونا 87 گرام یا چاندی 612 گرام یا اس سے زیادہ ہے تو سود کی رقم اس پر صرف نہیں کی جاسکتی۔ (رحیمیہ-2/192)

س: احناف کے نزدیک اس گاؤں میں جمعہ ادا کرنا جائز نہیں جس میں گلی کوچے اور روزمرہ کی ضروریات نہ ہوں تو کیا اس طرح کے گاؤں میں مسلک شافعی پر عمل کرکے جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

ج: نماز جمعہ مسلک حنفی کے مطابق صرف شہروں یا قصبات ہی میں ادا ہوسکتی ہے، یا ایسے بڑے گاؤں میں جو قصبات کے مانند ہوں، اور جن کی آبادی تین ہزار یا اس سے زائد ہو ان میں بھی نماز جمعہ جائز ہے، چھوٹے چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ جائز نہیں، اس طرح کے گاؤں والوں کو ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے، جہاں تک سوال ہے فقہ شافعی پر عمل کرنے کا، تو بلا ضرورت شدیدہ دوسرے مسلک پر عمل جائز نہیں۔ (فتح القدیر: 2/74، جواہر الفقہ: 4/129) البتہ اگر اس طرح کے گاؤں میں جمعہ کی نماز عرصہ دراز سے ہورہی ہو، اور بند کرنے میں افتراق وانتشار کا اندیشہ ہو تو مصالح کے تحت اس کی گنجائش ہے کہ اس کو جاری رکھا جائے، اور نماز جمعہ کے بعد انفرادی طور پر احتیاطاً چار رکعت ظہر بھی پڑھ لی جائے۔ (البحر الرائق-2/249، فتاویٰ ندوۃ العلماء-3/202)

س: بعض اولاد اپنے والدین سے بدسلوکی کرتے ہیں اور ان کی بے عزتی تک کردیتے ہیں، عاجز و پریشان ہوکر اگر والدین اس کا تذکرہ کسی عزیز سے کریں تو وہ غیبت ہوگی یا مظلوم کے درد کا بیاں؟

(بقیہ......صفحہ ۲۳......پر)

ٹینشن لینے کا یا دینے کا؟

ادارہ

ذہنی تفکرات و ٹینشن، دیکھنے اور سننے میں تو عام سے الفاظ ہیں لیکن اس کی وجہ سے اکثر خواتین اپنی جلد کی تازگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں، بلکہ اگر ذہنی تفکرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو انہیں دل کی بیماریوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور وہ اس سلسلے میں پھر اسپتالوں کے چکر لگاتی نظر آتی ہیں۔ دنیاوی زندگی اب اتنی تیز رفتار ہو چکی ہے کہ اس کے ساتھ اتنی ہی تیزی سے چلنا اب ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وقت پر کام نہیں ہوتا تو اکثر خواتین شکست خوردہ ہو جاتی ہیں اور مختلف طرح کے ذہنی تفکرات پالتی رہتی ہیں۔ پھر آگے جا کر بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ممبئی کے بریچ کینڈی اسپتال میں کام کرنے والے سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر ویہانگ واہیا اس سلسلے میں خواتین کو کچھ مفید مشورے دے رہے ہیں۔ جن پر عمل کرتے ہوئے خواتین خود کو ذہنی تفکرات سے دور رکھ سکتی ہیں۔

جب آپ ایسے وقت سے گزر رہی ہوں، جو آپ کے نزدیک سب سے مشکل ہے، وہ کوئی امتحان یا میٹنگ بھی ہو سکتی ہے، اس وقت یہ سچویشن ہو کہ آپ کو ہر طرح سے خود کو ثابت بھی کرنا ہو تو اس وقت یقیناً آپ ذہنی انتشار کا زیادہ شکار ہو سکتی ہیں۔ ڈاکٹر ویہانگ کا مشورہ ہے کہ جب بھی آپ ایسی مشکل روٹین میں ہوں تو ذہنی طور پر خود کو اس بات کے لئے رضامند کر لیں اور سوچ لیں کہ یہ آپ کی فیورٹ روٹین ہے، یعنی کہ آپ کو ایسے لمحات سے گزرنا اچھا لگتا ہے اور خود کو مشکلات کے سمندر سے ساحل تک لانا، آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس طرح کی مثبت سوچ سے آپ کو ٹینشن نہیں ہوتی اور آپ ان مشکل لمحات میں ذہنی انتشار کا شکار ہونے سے بچ جائیں گی۔

اگر کوئی مشکل ٹاسک آپ کو دے دیا گیا ہے تو گھبرائیں نا۔ آپ اس ٹاسک کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اپنا ایک ٹائم ٹیبل یا روٹین بنا لیں جو آپ کے اس ٹاسک کو مکمل کرنے میں آپ کے لئے مددگار ثابت ہوں۔ خود کو ٹینشن میں مبتلا کر کے ٹاسک کو پورا نہیں کیا جا سکتا، ہاں مگر ٹائم ٹیبل پر عمل کر کے وقت پر آپ اس ٹاسک کو پورا کر پائیں گی۔

ڈاکٹر ویہانگ کے مطابق خود کو ٹینشن سے بچائے رکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ صبح جلد اٹھیں۔ اس سے آپ کو اپنے کام وقت پر نمٹانے میں آسانی ہوگی۔ اگر آپ ورکنگ ویمن ہیں تو آپ ٹریفک جام کی خواری سے بچتے ہوئے وقت پر آفس پہنچ جائیں گی اور آپ کے ذہن میں لیٹ ہونے اور کام وقت پر مکمل نہ ہونے سے متعلق طرح طرح کے خدشات بھی نہیں آئیں گے۔

ان باتوں اور چیزوں کی ایک لسٹ بنا لیں جن سے آپ خوش رہتی ہیں۔ اس طرح کرنے سے آپ کی ذہنی الجھن کم ہوگی۔ ڈاکٹر ویہانگ کے مطابق جب بھی انسان اپنی پسندیدہ چیزوں کو دیکھتا ہے تو اس کا ذہن مثبت انداز فکر اختیار کرنے لگتا ہے، جس سے ذہنی الجھنوں کو جگہ نہیں ملتی اور نا ہی پھر وہ آپ پر حاوی ہوتی ہیں۔ جب بھی اسٹریس فل سچویشن (کشیدہ صورت حال) میں پھنس جائیں تو مسئلے کے حل کے بارے میں سوچیں اور جو بھی بہترین حل آپ کو سمجھ آ جائے اس کے مطابق اس سچویشن کو ہینڈل کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح کرنے سے ذہنی دباؤ میں کمی آتی ہے۔ اس سے آپ کو ایک تسلی ہوگی کہ آپ اس کشیدہ صورت حال سے نمٹنے کے لئے اقدامات کر رہی ہیں تو سکون کی ایک لہر آپ کے سراپے میں سرایت کر جائے گی۔

جب بھی خود کو کسی مشکل صورت حال میں گھرا ہوا پائیں تو بجائے اس کے نظریں

چرانے اور بھاگنے کے، آپ خود کو اس صورت حال سے نکالنے کے بارے میں سوچیں۔ کسی بھی مسئلے کو اس کی مشکلات کے ساتھ قبول کرنے کی عادت ڈالیں، اس طرح بھی ذہنی تفکرات سے آپ خود کو محفوظ کرلیں گی۔

جب بھی زندگی میں کشیدہ صورت حال آتی ہیں تو اکثر خواتین خود کو موردِ الزام ٹھہراتی ہیں کہ یہ مشکل میری وجہ سے ہی آئی ہے، پھر ٹینشن میں کھانا پینا اور وقت پر سونا بھول جاتی ہیں۔ جب کہ دراصل اس طرح کرنے سے آپ خود کو ہی نقصان پہنچارہی ہوتی ہیں۔ اس سے ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ اس مشکل سے نکلنے کے لئے آپ کی جو رہی سہی ہمت بھی ہوتی ہے، وہ بھی جواب دے جاتی ہے۔ خود کو ذہنی تفکرات سے بچانے کے لئے نماز پڑھیں، لمبے گہرے سانس لے کر کسی بھی کام کو شروع کریں۔ ہر فن مولا بننے کی کوشش نہ کریں۔ ڈاکٹر ویہانگ کے مطابق جو خواتین یہ چاہتی ہیں کہ وہ ہر کام آسانی سے کرلیں اور خود کو دنیا کے سامنے ثابت کرنے کے لئے وہ مشکل سے مشکل ترین ہر طرح کے کاموں کو کرنے میں جتی رہتی ہیں، وہ زیادہ ذہنی تفکرات کا شکار رہتی ہیں۔ اس لئے ڈاکٹر ویہانگ کا خواتین کو یہی مشورہ ہے کہ خود کو ہر فن مولا بنانے اور ثابت کرنے پر نہ تلیں۔ اچھا کھائیں۔ نیند پوری کریں اور ٹینشن سے خود کو دور رکھنے کے لئے مندرجہ بالا باتوں پر عمل کریں۔ ●●●

غصہ پی لینے کی فضیلت اور اس کے واقعات

حضرت ابوامامہ باہلیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص غصہ کو پی جائے، حالانکہ وہ اس کے تقاضے کو پورا کرسکتا تھا، مگر پھر بھی پی لیا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو اپنی رضا سے بھر دیں گے۔

کہتے ہیں کہ انجیل میں یہ بات لکھی ہوئی ہے: ''اے ابن آدم! تو اپنے غضب کے وقت مجھے یاد کر میں اپنے غضب کے وقت تجھے یاد کروں گا۔ اور تو اپنے لئے میری نصرت پر راضی ہوجا کہ یہ تیرے لئے تیری نصرت سے کہیں بہتر ہے۔'' منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک آدمی کو، جس نے آپ کو ناراض کیا تھا، یوں کہا کہ اگر تو نے مجھے غضب ناک نہ کیا ہوتا تو میں تجھے سزا دیتا۔ اس قول میں (**والکاظمین الغیظ**) کی طرف اشارہ ہے۔ کہتے تھے کہ ایک دفعہ آپ نے ایک مدہوش آدمی کو دیکھا، ارادہ کیا کہ پکڑ کر نشہ پینے کی سزا دیں کہ اس نے آپ کو گالی دی، آپ نے چھوڑ دیا۔ عرض کیا گیا امیرالمؤمنین! کیا وجہ ہے کہ اس نے گالی دی اور آپ نے چھوڑ دیا؟ فرمایا اس کی گالی پر مجھے غصہ آ گیا، اب اگر میں اسے سزا دوں گا تو میرے ذاتی غصہ کا دخل بھی اس میں شامل ہوگا اور مجھے یہ پسند نہیں کہ کسی مسلمان کو اپنے ذاتی غصہ کی وجہ سے سزا دوں۔

کہتے ہیں میمون بن مہرانؒ کی باندی شوربا لئے جارہی تھی۔ پاؤں الجھ گیا اور شوربا میمون پر گرا۔ میمون نے اسے مارنا چاہا۔ باندی نے عرض کیا آقا اللہ تعالیٰ کے قول (**والکاظمین الغیظ**) پر عمل کیجئے۔ کہنے لگے بہت اچھا، باندی نے عرض کیا اور اس کے بعد والا کلمہ (**والعافین عن الناس**) پر بھی عمل کیجئے۔ کہنے لگے بہت اچھا میں نے معاف کردیا۔ باندی پھر عرض کرنے لگی کہ حضور اس سے آگے (**واللہ یحب المحسنین**) بھی تو ہے۔ میمون نے کہا میں احسان بھی کرتا ہوں، جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔ جس میں تین خصلتیں نہیں وہ ایمان کی حلاوت نہیں پاسکتا۔

1- ایسی بردباری جس سے کسی غصہ کا علاج ہوسکے۔ 2- ایسا تقویٰ جو اسے حرام سے روک سکے۔ 3- ایسا خلق جس سے لوگوں کو آرام مل سکے۔

بعض متقدمین میں سے ایک کا ذکر ہے کہ ان کے پاس ایک گھوڑا تھا، جو انہیں بہت پسند تھا۔ ایک دن آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھوڑا تین ٹانگوں پر کھڑا ہے۔ غلام سے پوچھا یہ کس کا کام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میں نے ہی کیا ہے۔ پوچھا کیوں؟ تو اس نے کہا اس لئے کہ آپ کو صدمہ اور تکلیف پہنچے۔ کہنے لگے بس میں بھی اسے یعنی شیطان کو غم پہنچاؤں گا جس نے تجھے اس کام پر لگایا۔ جا تو آزاد ہے اور یہ گھوڑا بھی تیری ملک ہے۔ (تنبیہ الغافلین، ص:212)